وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد 11	شمارہ 07	شوال1438ھ	جولائی2017ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : **انجینئر مختار فاروقی**

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو۔ ملک شام کی بدامنی کا مستقبل؟	انجینئر مختار فاروقی	6
4	سلطنت عثمانیہ کی شکست وریخت کی کہانی	تزئین حسن	15
5	یورپ بیداری سے پہلے	مولانا محمد واضح رشید ندوی	28
6	انفاق فی سبیل اللہ کے ثمرات	رشید عمر	39
7	اسلامی دنیا کی قیادت کہاں ہے؟	محمد منظور انور	46
8	سیرۃ امام المرسلین ﷺ کی اشاعتوں پر تاثرات		50
9	تبصرہ وتعارف کتب		59

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الھمزۃ آیات 3، رکوع 1

اس سورۂ مبارکہ میں اُن لوگوں کے انجامِ بد کا بیان ہوا ہے جو خود حقوق ادا کرنے اور دوسرے کو اس کی نصیحت کرنے کی بجائے، حقوق ادا کرنے والوں پر طعن وطنز کرکے اور ان کی عیب جوئی کرکے ان کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کرتے رہے اور خود مال کی محبت اور اس کو گن گن کر رکھنے میں ایسے منہمک ہوگئے گویا یہ مال ان کے پاس سدا رہے گا۔ فرمایا: یہ مال ان کے پاس ہمیشہ ہرگز نہیں رہے گا بلکہ یہ مریں گے اور پھر اللہ کی سلگائی ہوئی ایسی آگ میں ڈال دیے جائیں گے جو دلوں تک جا پہنچے گی پھر ان کو اس آگ میں اس طرح بند کر دیا جائے کہ وہ آگ کے لمبے لمبے ستوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذَالِکَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ نِ O

ہر طعن آمیز اشارے کرنے والے چغل خور کے لیے خرابی ہے

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ O

جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ O

اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی (اچھی) زندگی کا موجب ہوگا

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ O

ہرگز نہیں، وہ ضرور (قیامت کے دن) حُطمہ میں ڈالا جائے گا

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ O

اور تم کیا سمجھے حطمہ کیا ہے؟

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ O الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ O

وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر جا لپٹے گی

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ O

(اور) وہ اس میں بند کر دیے جائیں گے

فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ O

یعنی (آگ کے) لمبے لمبے ستوں میں

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

اللہ تعالیٰ ہمیں دوزخ کی آگ سے بچائے

کیا آپ جانتے ہیں؟

Your phone, in all liklihood, knows more about you than your doctor. Your credit card company knows your likes and dislikes better than your closest friend. Google knows your thoughts, and even completes your sentences. Your telephone service provider knows where you are at all times. Facebook, for many, knows more than the rest combined.

(MARC SANTORA, Published in Nytimes: June 7, 2017)

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

تَقَبَّلُوْا لِیْ بِسِتٍّ أَتَقَبَّلُ لَکُمْ بِالْجَنَّةِ: اِذَا حَدَّثَ أَحَدُکُمْ فَلَا یَکْذِبْ، وَاِذَا وَعَدَ فَلَا یَخْلُفْ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ فَلَا یَخُنْ، غُضُّوْا أَبْصَارَکُمْ، وَکُفُّوْا أَیْدِیَکُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ

(شعب الایمان، عن انس رضی اللہ عنہ)

تم میرے لیے چھ باتوں کی ذمہ داری قبول کرلو میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری قبول کرتا ہے: (۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو وہ جھوٹ نہ بولے، (۲) جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہ کرے، (۳) جب اس کو کوئی امانت سونپی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے، (۴) تم اپنی آنکھوں کو جھکاؤ (۵) اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو (۶) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر و النذیر، للامام جلال الدین السیوطی

ملکِ شام کی بدامنی کا مستقبل؟
ایک آتش فشاں پھٹنے کو ہے

1

انجینئر مختار فاروقی

ملک شام اور مشرقِ وسطیٰ کے دیگر ممالک کے حالات ہمارے سامنے ہیں، ہر نقطۂ نظر کے لوگ اپنے لحاظ سے حالات کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ افسوس کہ ہم مسلمان دوسروں کے تجزیوں کے انبار سے بھی اپنی پسند کے مطابق بات کو صحیح سمجھ کر آگے اس پر عمل کر رہے ہیں۔ ذیل میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے مذکورہ حالات کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ بات ذرا طویل ہے اور پیش منظر ایک پس منظر کے بغیر جاننا مشکل ہے، لہٰذا غور سے پڑھنے اور ٹھنڈے دل سے سمجھ کر حرزِ جان بنانے کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

☆ سائبیریا (SYBERIA) کا قدیم برفانی علاقہ (جہاں انسانیت یخ بستہ ماحول میں چیونٹی کی رفتار سے زندگی کے مراحل طے کرتی ہے) سے اُٹھنے والی غیر مہذّب انسانی قوتیں (HUMAN POTENTIAL) وقفے وقفے سے مشرقِ وسطیٰ کے متمدّن علاقوں میں یلغار کرتی رہی ہیں۔ یہی قوتیں یورپ، انگلینڈ، ڈنمارک اور سویڈن تک پہنچی ہیں اور کبھی آگے بڑھ کر کینیڈا، شمالی امریکہ، میکسیکو اور جنوبی امریکہ کے علاقوں تک جا پہنچیں۔ تاریخ میں سائبیریا کو وحشی فاتحین کا گہوارہ (CRADLE OF CONQUERORS) کہا گیا ہے۔ یہ قوتیں پانچ چھ صدیوں کے وقفے سے 5000 ق م سے لے کر 600 ق م تک حملہ آور ہوتی رہیں اور یہاں آ کر یہاں کی متمدّن اور مہذّب دنیا کا حصہ بنتی رہیں۔ ایک طویل وقفے کے بعد اس علاقے

سے فاتحین کا ایک جدید سلسلہ 1200 عیسوی کے لگ بھگ چنگیز خان اور ہلاکو خان کی صورت میں نمودار ہوا۔ دورِ حاضر کی ترقی اور ذرائع آمد و رفت کی آسانی نے سائبیرین قوت کا بہاؤ (IN FLOW) ایک مستقل اور مسلسل عمل بنا دیا ہے جو 1700ء کے بعد سے 'روس' کے نام سے موسوم ہو کر آج بھی عالمی بساط پر اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

☆ ایران کے ایک خدا ترس اور بنی اسرائیل دوست حکمران کے ہاتھوں بحیرۂ کیسپین (CASPIAN SEA) اور بحر اسود (BLACK SEA) کے درمیانی علاقے میں ایک حفاظتی دیوار 'سد ذوالقرنین' کی تعمیر (چھٹی صدی ق م) سے یہ سائبیرین فاتحین پہلے یورپ (روم) پہنچے اور پھر آبنائے باسفورس (موجودہ ترکی) کے راستے مشرق وسطی میں داخل ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کے دورِ زوال میں مشرق وسطیٰ میں یہی قوت آشوریوں یونانیوں اور رومیوں کے نام سے حملہ آور ہوئی اور انھیں آشوریوں کو تاریخ نے SYRIA سے 'شام' کا نام دیا ہے۔ یہ کیسے واقع ہوا؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔

☆ تاریخ انسانی میں قرآن مجید کے مطابق قومِ نوح، قومِ عاد، قوم ثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب یہی اقوام ہیں جو سائبیریا سے نکل کر منگولیا آتے رہے پھر ان غیر متمدن علاقوں سے مشرق وسطی یا یورپی اور جنوبی ایشیا کے علاقوں میں آ کر آباد ہوتے رہے اور پیغمبروں (علیہم السلام) کی تعلیمات سے سابقہ پیش آتا رہا، کچھ اللہ کے دین کو قبول کر لیتے اور اکثریت انکار پر عذاب کا شکار ہوتے رہے۔

ملک شام اور ملحقہ متمدّن علاقے

☆ انسانی تاریخ بالعموم سیکولر لکھی گئی ہے اور آج بھی جب تاریخ کے حوالے آتے ہیں آپ کتابیں اُٹھا کر دیکھ لیں اس تاریخ میں تمام وحشی، بدکردار، عیاش، بے حیا، ظالم اور بے انصاف بادشاہوں کے حالات اور ان کی دہشت ناک فتوحات پر ہزاروں صفحے کالے کر دیے گئے ہیں مگر اس دوران جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں ان کا آپ کو کہیں تذکرہ نہیں ملے گا نا معلوم اس کی وجہ کیا ہے؟ اور کون سی قوم اس سیکولرازم اور لادینیت کی ذمہ دار ہے کہ تاریخ انسانی کے ہمدردی اور اخلاقی پہلو کے صفحات ہی غائب ہیں یاحسرتا! کاش ایسا نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ آج دنیا بھر کے انسانوں کی DEMOGRAPHICS بہت مختلف ہوتیں۔

☆ شام اور اس کے ملحقہ علاقوں کی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں مجبوراً تین آسمانی مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا ناگزیر حوالہ دینا لازمی ہوگا۔ اس کے بغیر آج کے اُلجھے ہوئے حالات کی گتھی کے سلجھانے کا کوئی مؤثر طریقہ موجود نہیں ہے۔

☆ قارئین کرام کے سامنے راقم اس بات کا بھی کھلے دل سے اعتراف کر رہا ہے کہ ہر قوم، ہر مذہب اور ہر تہذیب کے پرستاروں کو زندگی میں پیش آمدہ حالات کو اپنے انداز میں لکھنے، عام کرنے اور اپنے اسی نقطۂ نظر سے تجزیہ کرنے کا حق ہے۔ افسوس کہ آج کی مقتدر مغربی قوتیں گزشتہ کئی صدیوں سے اپنا یہ حق استعمال کر رہی ہیں مگر دوسروں کو یہ حق دینے کو تیار نہیں ہیں اور دنیا بھر کے انسانوں کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ تاریخ اور واقعات کا جو تجزیہ انھوں نے کیا ہے وہی 'واحد' اور ناقابل تردید، صحیح ترین اور غیر جانبدارانہ تجزیہ ہے حالانکہ یہ بات بدیہی طور پر غلط اور قطعی طور پر ناانصافی ہے اور تھرڈ ورلڈ پر صریحاً ظلم ہے۔

ہمارے نزدیک (اور ہر منصف مزاج انسان کے نزدیک) مشرقِ وسطیٰ کے موجودہ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہودیت، عیسائیت اور مسلمانوں کو یہ حق ہے کہ گزشتہ معلوم تاریخ کا اپنے نظریہ، انداز، سوچ، ترجیحات اور مذہبی تعلیمات کے مطابق تجزیہ کریں اور اپنے ہاں اس کو عام کریں۔ مثال کے طور پر ملک شام کا حالیہ جاری بحران (جو گزشتہ 150 سال سے) ایک خاص قسم کے عالمی مغربی قوتوں کے نظریات کے دباؤ اور اہداف کی روشنی میں ان قوتوں کے پسندیدہ اور طے شدہ رُخ پر بڑھ رہا ہے اس بحران کا تجزیہ یہودیت (یا آج کل صہیونیت کہنا زیادہ قابل فہم اصطلاح ہے) کے نقطۂ نظر سے اور ہوگا، عیسائیت کے نقطۂ نظر سے اور ہوگا اور نظریاتی مسلمانوں (اُمت مسلمہ) کے نزدیک اور ہوگا۔

دنیا بھر میں کوئی تاریخ دان یا تجزیہ نگار آنکھیں بند کر کے تبصرہ کرے اور اپنی رائے کا اظہار کرے کبھی بھی ان تین نقطہ ہائے نظر کے تجزیات ایک نہیں ہو سکتے۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے جنوبی ایشیا کی تاریخ کے حوالے سے بھی مثال اپنے موضوع کی وضاحت کے لیے مفید رہے گی۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد جب یورپی استعماری اقوام ایک خاص قسم کا عالمی ایجنڈا لے کر دنیا بھر میں نکلیں تو وہ چند صدیاں قبل کے جنوبی ایشیا کے متمدن اور خوشحال ترین

علاقے میں بھی آئیں اور وہاں آہستہ آہستہ اپنے پاؤں جمائے اور بالآخر انیسویں صدی میں پورے جنوبی ایشیا پر صہیونی برطانوی استعمار ناجائز طور پر قابض ہوگیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں آزادی کی ایک تحریک چلی اور 1947ء میں غاصب اور لٹیرے غیر ملکی استعمار کے یہ مہرے وطن واپس ہوگئے۔ اس تاریخ کو ہندو قوم کے اہل علم لکھیں گے تو یقیناً اور طرح لکھیں گے اور یہ ان کا 'حق' ہے۔ عالمی مغربی صہیونی استعمار کے وظیفہ خوار لکھیں گے تو وہ اپنا نقطہ پیش کریں گے جبکہ مسلمان لکھیں گے تو انھیں واقعات اور تصادم کے ان مختلف EVENTS کو اپنے نظریہ اور قومی و ملّی لحاظ سے اپنے ماضی، حال اور مستقبل کی عینک لگا کر دیکھنے اور لکھنے کا حق ہے۔ یہ تینوں تجزیے صد فی صد ہم آہنگ اور ایک نہیں ہوسکتے (افسوس کہ آج عالمی سطح پر ضد کی وجہ سے ان تجزیوں کو ایک کر کے پیش کرنے اور عام کرنے کا دباؤ ہے اور صاف ظاہر ہے کہ آج مغربی غالب اقوام اور صہیونی نقطۂ نظر ہی ہے جو عام ہو رہا ہے)

شام اور مشرقِ وسطیٰ کے حالات

☆ ہمارے نزدیک یہ بات صرف مسلمانوں کی سوچ نہیں ہے بلکہ ہر اجتماعیت، ہر مذہب، ہر قوم اور ہر ملک کی یہی سوچ ہے مگر مقتدر قوتیں محکوم قوموں کی سوچ کو دبانے کی کوشش کرتی ہیں اور یوں اپنی کامیابی یقینی بنانے کا اہتمام کرتی ہیں۔ ملک شام کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اوپر درج حقائق کا ایک سیڑھی اور نیچے اُتر کر ذرا گہرائی میں جا کر مشاہدہ کریں تو وہ تجزیہ حقیقت کے زیادہ قریب ہوگا۔

☆ عیسائیت ایک مذہب ہے اور اس وقت دنیا کا سب سے بڑا اور مقتدر مذہب ہے۔ اس میں ایک بڑی تقسیم کیتھولک (CATHOLICS) اور پروٹسٹنٹ (PROTESTANTS) کی ہے۔ ایک دوسری مؤثر تقسیم عیسائیت کی جغرافیائی تقسیم ہے۔ بہت پہلے عیسائیت نے رومن چرچ (ROMAN CHURCH) اور بازنطینی (BAZENTINE CHURCH) چرچ کی تقسیم قبول کر لی تھی اسی کو عام فہم انداز میں مغربی چرچ اور مشرقی چرچ بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں طبقات میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ رومی چرچ سیکولر، ترقی پسند، لبرل اور سیاسی حکمرانوں کے پیچھے چلتا ہے جبکہ بازنطینی چرچ سخت مذہبی، مذہبی تعلیمات کا پابند اور حکمرانوں کو اپنے مقاصد کے تحت چلانے والا ہے۔

☆ یہودیت جسے ہم ان صفحات میں صہیونیت (ZIONISM) کے عنوان سے تعبیر کریں گے، ایک قدیم آسمانی مذہب کے دعویدار ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کہلاتے ہیں اُن کے بعد بھی مذہبی تسلسل کے قائل ہیں۔ اپنی تاریخ میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی شاندار اور مثالی حکمرانی کی مثالیں رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہودیت میں بھی ایک مخلص اور مذہبی طبقہ ہے جو NON-VOILENT ہے اور دوسرا طبقہ لبرل، بے عمل طبقہ ہے جو بنی اسرائیل کی عالمی حکومت کے قیام کا داعی اور اس کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو BULLDOZE کرنے کا قائل ہے۔ 1897ء میں PROTOCOLS کی منظوری، اسرائیل کے قیام کا صدسالہ منصوبہ اور مئی 1949ء میں اسرائیل کا قیام اس کے اہداف تھے۔ وسیع تر اسرائیل (GREATER ISRAEL) کا قیام اور عالمی سطح پر بنی اسرائیل کا غلبہ اور عالمی اسرائیلی حکومت کے ذریعے دنیا کے وسائل پر قبضہ بھی ان کے اعلان کردہ اہداف ہیں۔

یہ بات بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے) کی اولاد ہیں اور اس کا بگاڑ ہی آج کے عالمی بگاڑ کا بڑا سبب ہے۔ فری میسن تنظیم آج سے صدیوں قبل (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے بھی پہلے) قائم ہوئی تھی اور آج بھی دنیا بھر کی خفیہ تنظیموں کے رابطے اور تعلقات اسی تنظیم سے جا ملتے ہیں۔ روٹری کلب اور لائنز کلب سے لے کر صہیونی مقاصد کے لیے قائم سینکڑوں خفیہ تنظیمیں صہیونیت کے اہداف کو آگے بڑھاتی ہیں۔ دنیا بھر کے ممالک میں حکومت کے بگاڑ اور استحکام میں براہِ راست ملوّث ہیں۔ یہودی حضرت یوسف علیہ السلام کے دور سے ہی عالمی تجارت میں چلے گئے تھے اور مرورِ زمانہ سے، انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہونے اور آسمانی ہدایت (تورات، زبور وغیرہ) کا حامل ہونے کی وجہ سے قریباً تین ہزار سال سے عالمی تجارت پر قابض ہیں اور مشرقی چین اور جاپان سے لے کر یورپ، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ تک ان کے پائیدار مراکز اور آبادیاں ہیں۔ ان کا مرکز ایک عرصے تک بحیرۂ کیسپین (CASPIAN SEA) اور بحیرۂ اسود (BLACK SEA) کے درمیان کا علاقہ (جہاں سدّ ذوالقرین ہے) رہا ہے اور گزشتہ دو ہزار سال سے عالمی سیاسی عروج و زوال کے نفسیاتی مراکز اس علاقے میں ہی اصفہان تک واقع ہیں۔ اسلامی تاریخ میں حسن بن صباح کی تحریک، اس کی خود

تعمیر کردہ 'جنت' وغیرہ اسی علاقے میں واقع تھیں اور اس کے اثرات آج تک قائم ہیں۔

بحیرۂ کیسپین کا پرانا نام بحیرۂ خضر ہے خضر بمعنی سبز کے ہے اور کچھ عجب نہیں کہ قرآن میں مذکور ایک قابل احترام ہستی جس کا ذخیرۂ احادیث میں 'خضر' نام آیا ہے وہ اسی 'بحیرہ' کے علاقے سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس سمندر کا نام تبدیل کر دیا گیا تھا۔

یہ بات بھی صہیونیت کا ایک تمغہ (CREDENTIAL) ہے کہ وہ دنیا بھر کے امیر ترین افراد پر مشتمل ایک اقلیت ہے اور اس کے باوجود وہ دنیا بھر کے نظام کو پس پردہ رہ کر کنٹرول کرتی ہے اور اپنے مذموم نظریاتی اہداف کو حاصل کرنے میں مصروف رہتی ہے۔ اپنے مذموم گروہی صہیونی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے قوموں اور ملکوں کو جنگ میں جھونک دینا اور انسانی خون ریزی کرا دینا اس کے لیے کوئی اخلاقی بُرائی نہیں۔ وہ قرضوں کی معیشت کے بانی ہیں اور 'سود' کو کیموفلاج (CAMOUFLAGE) کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیا ہے اور حلال کر لیا ہے اور دنیا بھر میں صدیوں سے جاری (بنک آف انگلینڈ سترھویں صدی کے آغاز میں قائم ہوا تھا) سودی نظام کے بانی ہیں اور اب سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM) کے ذریعے دنیا بھر کے وسائل پر قابض ہیں۔

دنیا میں تیسرا آسمانی مذہب اسلام ہے، جو حضرت محمد ﷺ (اپریل 571ء۔ جون 632ء) کی تشریف آوری سے سامنے آیا۔ مسلمانوں کے نزدیک نبوت و رسالت آسمانی ہدایت کا ایک ادارہ (INSTITUTION) ہے حضرت آدم علیہ السلام پہلے پیغمبر تھے اور حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں، درمیان میں کئی پیغمبر تشریف لائے اصولاً جو آدمی کسی پیغمبر کو مانتا ہے تو وہ اس ادارے کو تسلیم کرتا ہے اور یوں اپنے نبی کو مان کر بعد میں آنے والے تمام نبیوں پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے اور عملاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا بنی اسرائیل کے لیے لازم تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اپنے دور میں مسلمان کہلاتے تھے اور حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے بعد سابقہ تمام اُمتوں کے جو لوگ (یہود و نصاریٰ، ہنود، پارسی وغیرہ) آپ پر آیمان لائیں گے وہ مسلمان کہلائیں گے۔ پھر قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ پر نبوت کے اختتام اور تکمیل کا آسمانی فیصلہ آ گیا ہے۔ لہٰذا حضرت محمد ﷺ تا قیامت نبی اور رسول ہیں اور آپ کے ماننے والے تا قیامت مسلمان کہلائیں گے۔ اگر کوئی شخص لاعلمی یا شرارت سے آپ ﷺ کے بعد

دعویٰ نبوت کرے تو شخص کافر اور قابل سزا ہے اور ایسے شخص کے ماننے والے بھی۔ اسی وجہ سے تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے بنی اسرائیل کا ایک طبقہ مسلمان ہونے کی بجائے یہودی کہلایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے جو مسلمان ہو گئے وہ مسلمان ہیں باقی اب اپنے لیے ایک نئے نام عیسائی (CHRISTIANS) سے پہچانے جاتے ہے۔

اس تجزیے میں ہم مسلمانوں کے دو بڑے طبقات کا بطور صورت واقعہ ذکر کریں گے ایک 'اہل سنت' اور دوسرا 'شیعہ'۔ اس لیے کہ ملک شام کے حالات میں ایران کی براہِ راست حصہ داری کی وجہ سے یہاں ایران کا تذکرہ ناگزیر ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی اسرائیل

قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے اور مذکورہ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل اور ان کے بارہ بیٹے تھے حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہوئے، مصر کے حاکم اور بادشاہ ہوئے۔ ان کے 10 بھائی اتنے اچھے نہ تھے جو ایک نبی (علیہ السلام) کے گھر کے ماحول کے مطابق ہونے چاہئیں تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دورِ اقتدار میں وہ مصر منتقل ہوئے۔ اسی دور میں مصر کی عالمی تجارت میں مرکزی حیثیت کی وجہ سے عالمی تجارت میں داخل ہو گئے اور دنیاوی حیثیت اور دینی سیادت (کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں) کی وجہ سے دوسروں پر چھا گئے۔ کچھ عرصے بعد حالات بدلے اور بنی اسرائیل کا اقتدار ختم ہوا تو افریقہ کے مقامی (BLACKS) فراعنۂ مصر حکمران بن گئے۔ فراعنہ مصر نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا۔ اس طرح کئی صدیاں انھوں نے غلامی میں گزاریں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو اس غلامی اور جبری کام (بیگار) سے نجات دلائی مگر بنی اسرائیل کے وحی دشمن اور خدا بیزار رویّے نہ بدلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی مجموعی بے عملی اور پیغمبر کو ستانے کے رویّوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے شکوے کرتے نظر آتے ہیں۔ جہاد سے انکار اور 'خدا' کو جہاد کرنے کے مشورے دیتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور آیا تو مشرقِ وسطیٰ کے وسیع علاقے میں (مصر سمیت) یہ آسمانی بادشاہت قائم ہوئی۔ مگر بنی اسرائیل کا یہ بگڑا ہوا طبقہ عالمی تجارت میں پہلے سے بھی زیادہ

مؤثر ہو گیا اور جادو اور آسمانی ہدایت کے دشمن علوم (OCCULT SCIENCES) سیکھنے میں لگا رہا۔ اس عروج کے بعد بنی اسرائیل پر زوال آیا پہلے عراق کے بادشاہ نمرود کے ہاتھوں جب یونانیوں کی حکومت مشرق وسطی میں پھیل گئی۔ پھر بنی اسرائیل کو دوبارہ عروج ہوا تاہم بنی اسرائیل کا مؤثر طبقہ آج بھی یونانیوں کے علوم، ان کے مشرکانہ عقائد، خدا بیزار اور اخلاق دشمن رویوں کی نہ صرف تائید کرتا ہے بلکہ دنیا بھر اپنے مقروض ممالک میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے حکومتی اقدامات کی بجائے رومی قانون اور 'یونانی اخلاق' کو فروغ دیتا ہے اور مسلمانوں کے دور کو یونانی مشرکانہ اور دیومالائی نظریات اور رومی انسان دشمن ظلم اور سفاک رویوں کے مقابلے میں دورِ جاہلیت کہتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق مدینے کے یہودی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کے مقابلے میں مکّے کے مشرکین کو زیادہ ہدایت یافتہ اور مہذب خیال کرتے تھے (النساء 51:04) حتیٰ کہ دوسرے عروج کے بعد زوال آیا اور مشرقِ وسطی و فلسطین میں رومی اقتدار آ گیا تو بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے بڑے اور مؤثر طبقہ نے غاصب حکمرانوں سے دوستی کر لی۔

بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ میں قرآن مجید کے نزدیک ان کے انسان دشمن اور خدا بیزار رویے چھائے رہے۔ حتیٰ کہ قرآن مجید نے ان کے جرائم میں سے سب سے بڑا جرم خدا بیزاری اور وحی دشمنی قرار دیا ہے جس کا شاخسانہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل نے 600 قم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تک سینکڑوں پیغمبر قتل کر دیے اور یوں وحی دشمنی اور خدا بیزاری کا ثبوت دیا۔ قرآن مجید اس بگڑے ہوئے طبقے کو 'اسرائیل کی اولاد' یعنی بنی اسرائیل ہی کہتا ہے اور اس گمراہی کے ڈانڈے برادرانِ یوسف سے ہی ملاتا ہے۔

بنی اسرائیل کے اس قتل انبیاء کے جرم میں ان پر بڑی سزائیں آئیں مگر وہ باز نہ آئے۔ قرآن مجید کے نزدیک (جس کی تائید 1960ء کی دہائی میں رُوم میں پوپ کے ہاں سے ملنے والی ایک انجیل 'انجیل برنباس' میں دی گئی تفصیلات سے بھی ہوتی ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے نہ صلیب دیے گئے بلکہ زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیے گئے کوئی اور شخص (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نشاندھی کے لیے مخبر بنا تھا وہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل بن کر مصلوب ہوا۔

مسلمانوں کے نزدیک نبی قتل ہوئے مگر رسول کبھی دشمن کے ہاتھ نہیں آئے اور نہ مغلوب ہوئے (المجادلہ 21:58) بلکہ قرآن مجید میں رسولوں کے واقعات کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی اور اہل ایمان کی آنکھوں کے سامنے رسولوں کی نافرمان قوموں پر عذابِ استیصال آیا۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق قتل انبیاء کے جرم میں بنی اسرائیل پر کئی عذاب آئے کئی دفعہ اللہ تعالیٰ نے درگذر فرمایا مگر اس طبقہ نے یہ جرم نہیں چھوڑا حتیٰ کہ ایک عادی مجرم کی طرح انھوں نے اپنے کسی زُعم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی راستے سے ہٹانے (قتل کرنے یا صلیب دلوانے) کا ارادہ کرلیا۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری انسانیت کے لئے نبی اور رسول نہیں تھے بلکہ صرف بنی اسرائیل کی طرف نبی تھے (آل عمران 49:03) اور بنی اسرائیل کا بگڑا طبقہ ان کے خلاف الزامات لے کر کھڑا ہوا اپنے تئیں (رومیوں کے دورحکومت میں) حکومت کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دلوانے کی ساری قانونی کارروائی مکمل کرلی۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچالیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس گھناؤنے جرم کی سزا کے طور پر بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، تباہی آئی اور فلسطین سے دربدر ہوئے کہ انیس صدیاں فلسطین میں آباد نہ ہوسکے۔ چھ صدیاں تو وہاں جا بھی نہیں سکتے تھے اس لئے کہ آسمانی ہدایت کے مطابق فلسطین کے مذہبی شعائر اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی تحویل میں تھے اور یہودی ان کے قتل کے مجرم۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یروشلم فتح ہوا تو اسلام نے یہودیوں کو RELIEF دیا کہ وہ عارضی طور ر یروشلم میں اپنے مقدس مقامات کی زیارت (VISIT VISA) کے لیے آسکتے ہیں۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار اور اقدامِ قتل پر یہودیوں پر عذابِ استیصال آنا لازمی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور قرآن مجید میں مذکورہ چھ جلیل القدر رسولوں کی قوموں کے واقعات سے بھی ظاہر ہے۔ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بیسویں صدی میں ملک اسرائیل کے (ناجائز) قیام کے بعد یہودیوں کا دنیا بھر سے اسرائیل منتقل ہونا، ان کے لئے عذاب استیصال کی تیاریوں کا حصہ

ہے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد وقوع پذیر ہوگا (ان شاءاللہ)۔

☆ بنی اسرائیل کا قتل انبیاء کا جرم کوئی سادہ اور معصومانہ یا بچگانہ فعل نہیں تھا کہ قابل درگذر ہو بلکہ آسمانی ہدایت سے دشمنی، خدا بیزاری اور وحی دشمنی کی آخری حد تھی کہ ہمیں ہدایت نہیں چاہیے ہم صرف عقیدہ کے طور پر یہودی رہنا چاہتے ہیں (اللہ کو ماننا، توراۃ کو ماننا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننا وغیرہ وغیرہ) عملاً ہم آزاد خیالی، لبرل ازم اور من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا نسلی برتری کا عقیدہ اور خود حقیقی انسان ہونا اور غیر یہودیوں کا انسان نما حیوان ہونا (اس کے لیے GOYEMS اور GENTILES کے الفاظ آئے ہیں جس کا مخفف GOG بنتا ہے)، غیر یہودیوں کے اموال کھا جانا اور ان کی عزتوں سے کھیلنا ان کے نزدیک اسی اصول کے تحت کوئی جرم نہیں ہے (آل عمران 75:03)۔ (جاری ہے)

سلطنت عثمانیہ کی شکست وریخت کی کہانی

تزئین حسن
(بشکریہ، سنڈے میگزین ایکسپریس، 11 جون 2017ء)

سال گزشتہ ترکی کے صدر طیب اردگان کے خلاف ناکام فوجی بغاوت کے بعد سے ترک سیاست بین الاقوامی اور قومی اخبارات میں خوب زیر بحث ہیں مگر بہت کم لوگ ترک سیاست کے تاریخی پس منظر سے واقف ہیں۔ اتفاق سے 2016ء میں برطانیہ اور فرانس کے درمیان سائیس پیکوٹ معاہدے کو پورے سو سال ہو چکے ہیں۔ اب یہ بات سرکاری طور پر منظر عام پر آ چکی ہے کہ اس معاہدے کے تحت پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے پہلے ہی یہ دونوں ملک سلطنت عثمانیہ کے حصے بخروں پر اتفاق رائے سے بندر بانٹ کر چکے تھے یعنی سلطنت کا زوال 1923ء میں خلافت کے خاتمے کے اعلان سے بہت پہلے ہی طے کیا جا چکا تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ سن 2008ء میں اسرائیلی حکومت نے جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا کا مجسمہ موجودہ اسرائیل کے بیئر شیبہ نامی شہر میں پہلی جنگ عظیم میں اتحادی افواج کی یادگار کے ساتھ ایستادہ کرنے کا اعلان کیا۔ یاد رہے کہ مصطفیٰ کمال اور اتحادی افواج جنگ عظیم میں بظاہر ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ اسرائیل کی حکومت کا جدید ترکی کے بانی سے اس حد تک اظہار وارفتگی کا پس پردہ سبب کیا ہو سکتا ہے؟

ترکوں کے خلاف لارنس آف عریبیہ کی عرب بغاوت کا بہت ذکر کیا جاتا ہے مگر زوال کی اس داستان کے اس سے زیادہ دلچسپ حصے تا حال دنیا کے سامنے پوری طرح نہیں آ سکے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ یورپی طاقتوں کی شروع کی گئی اس جنگ میں جس کا ترکی سے بظاہر کوئی تعلق نہ تھا، عثمانوی ترکی کے علاوہ کسی اور مملکت کے جغرافیہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

تاریخ کے اس اہم ڈرامے میں جسے ہم 'سقوطِ عثمانیہ' کہہ سکتے ہیں، بہت سے سوالات اپنے جواب کے منتظر ہیں۔ آیئے! ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کے لئے یونان کے ایک شہر 'تھیسالونیکی' چلتے ہیں جسے جدید ترکی کے بانی کمال اتاترک کی جائے پیدائش ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ماضی قریب یعنی بیسویں صدی کے اوائل تک یہ سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا جو افریقہ سے یورپ اور وسط ایشیا سے حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس شہر کا سلطنت عثمانیہ کی شکست وریخت میں بہت اہم کردار رہا ہے اور اسرائیل کے قیام میں بھی اس شہر نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ نتیجتاً مشرق وسطیٰ کے مستقبل پر بھی اس نے بہت دوررس اثرات ڈالے جنھیں دنیا آج تک بھگت رہی ہے۔

'تھیسالونکی' نامی شہر جسے ترکوں نے سلانیک یا سلونیکا کا نام دیا، سکندر اعظم کی بہن تھیسالونیک کے نام پر بسایا گیا۔ یہ یونان کے مقدونیہ نامی خطے کا سب سے بڑا شہر ہے۔ جی ہاں! وہی مقدونیہ جہاں سے سکندر جب اٹھا تو دنیا کو فتح کرتا چلا گیا اور فاتح عالم کہلایا۔ اس شہر کے بارے میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ سکندر اعظم اور اس کے استاد ارسطو کے علاوہ فرانس کے سابق صدر نکولس سارکوزی کے خاندان کا تعلق بھی اسی شہر سے بتایا جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل ترک سلطان عبدالحمید دوئم کو معزول کرنے والی Young Turks تحریک اسی شہر میں قائم ہوئی اور ترکی کو پہلی جنگ عظیم میں دھکیلنے کا تباہ کن فیصلہ کرنے والے Young Turks کے قائدین انور پاشا، طلعت پاشا اور جمال پاشا کا سیاسی اور عسکری کیریئر طویل عرصہ اسی شہر سے وابستہ رہا۔ اسی طرح آرمینیائی نسل کشی (Armenian Genocide) بھی، جس کا الزام حالیہ دنوں میں سلطنت عثمانیہ پر لگایا جا رہا ہے، جوان ترک کے دور حکومت میں ہی وقوع پذیر ہوئی اور جمال پاشا اس کا براہ راست ذمہ دار بتایا جاتا ہے۔

سیفارڈی یہودیوں کی تنظیم 'فانڈیشن فار ایڈوانسمنٹ آف سیفارڈک سٹڈیز اینڈ کلچر' (FASSAC) کی ویب سائٹ کے مطابق یہ شہر 1492ء سے لے کر 1943ء تک تقریباً ساڑھے چار سو سال تک یہودی آبادی کا اہم ترین مرکز تھا جس کے بعد دوسری جنگ عظیم میں

دوسرے یورپی شہروں کی طرح یہاں کی یہودی آبادی بھی ہولوکوسٹ کے مظالم کا شکار ہوئی۔

ہم نے ذکر کیا کہ اسرائیل کے قیام میں اس شہر کا براہ راست کردار رہا ہے۔ اسرائیل کا قیام ایک عالمی منصوبہ تھا جس کی کڑیاں یونان سے برطانیہ، مصر سے امریکہ اور استنبول سے حجاز تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اس قوم نے صدیوں تک بھرپور پلاننگ کے ساتھ انتھک جدوجہد کی تھی جبکہ ترک اپنی ناک کے نیچے ہونے والے تماشے سے بے خبر رہے اور عربوں نے لارنس کے اکسانے پر ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے خود فلسطین برطانیہ کے حوالے کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔ آج ہم اس جدوجہد کے کچھ پہلو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مضمون کے مندرجات کو سازشی تھیوری سمجھنے والوں کے لئے عرض ہے کہ اس کی تیاری کے لئے سو فیصد یہودی ذرائع سے ہی مدد لی گئی ہے۔

سلونیکا میں یہودی قوم کی آبادکاری

عثمانوی دور حکومت میں یہاں مسلمانوں اور یہودیوں کو بسایا گیا خصوصاً سن 1492ء میں ازبیلا اور فرڈی نینڈ کی جانب سے اسپین میں 'الحمرا فرمان' جاری ہونے کے بعد یہودیوں کی بہت بڑی تعداد نے سلطنت عثمانیہ میں پناہ لی۔ یہ وہی فرمان تھا جس کے مطابق یہودیوں کو اسپین چھوڑ دینے، عیسائیت قبول کرنے یا آگ میں جل کر مرنے میں سے کسی ایک آپشن کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بعدازاں اسپین کے مسلمانوں کے لئے بھی ایسا ہی فرمان جاری کیا گیا۔ یہودی تاریخ کے مطابق ڈھائی لاکھ یہودیوں نے ہسپانیہ چھوڑ دیا جبکہ تقریباً پچاسی ہزار نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ یہود کی اپنی روایات کے مطابق انہیں پناہ ہمیشہ مسلمانوں ہی کے پاس ملی۔ ہسپانیہ چھوڑنے والے یہودیوں کو بھی عثمانوی حکمرانوں نے پناہ دی۔ ان میں سے تقریباً بیس ہزار نے سلونیکا میں سکونت اختیار کی۔

سلونیکا میں یہودی آبادی کی تاریخ

اگرچہ یہودیوں کے دعوؤں کے مطابق وہ قبل مسیح سے سلونیکا میں آباد چلے آ رہے تھے۔ عیسائی مذہب کا دوسرا بڑا رہنما سینٹ پال 50ء میں یہاں آیا۔ اس نے اپنے دو خطوط میں

یہاں یہودی موجودگی کا تذکرہ کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے شبات (ہفتہ) کے دن سائناگاگ (یہودی عبادت گاہ) میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے وعظ بھی دیے۔ یہودیوں کو یہاں باقاعدہ بسانے کا مقصد آبادی میں توازن کی سیاسی حکمت عملی بتائی جاتی ہے جس کے تحت یونانی عیسائیوں کو شہر میں غالب آنے سے روکا گیا۔ یہ حکمت عملی عثمانوی حکمرانوں نے اپنے تمام مفتوحہ علاقوں میں اپنائی۔ خصوصاً اس لیے کہ انہیں عیسائیوں کے مقابلے میں یہودیوں پر زیادہ بھروسہ تھا۔ اگرچہ دونوں کی حیثیت اسلامی قوانین کے تحت ذِمی کی تھی۔

عثمانویوں کی دریادلی کے سبب بعد کی صدیوں میں بھی یورپ میں یہود مخالف فسادات (Anti-semitic Pograms) کے باعث یہاں پولینڈ، ہنگری، اٹلی، فرانس روس وغیرہ سے یہودی منتقل ہوتے رہے اور یہ سلطنت اور یورپ کا سب سے بڑا یہودی آبادی والا شہر بن گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے کاروبار اور ثقافت پر بھی یہودیوں کا تسلط مضبوط ہوتا چلا گیا اور اسی بنا پر 1537ء میں ایک یہودی شاعری نے اسے اسرائیل کی ماں کا خطاب دیا۔

یہودیوں کو صنعتی مراعات

ہسپانیہ سے آئے ہوئے یہودیوں نے جو سیفارڈی کہلاتے تھے، اون سے کپڑا بننے کے فن کو یہاں درآمد کیا۔ یہ فن مسلم ہسپانیہ میں بہت ترقی یافتہ تھا۔ اگرچہ وہاں کے مقابلے میں یہاں کا اون کم تر معیار کا تھا۔ انہوں نے یہاں کپڑا سازی کی صنعتیں قائم کرنا شروع کیں۔ رفتہ رفتہ یہ صنعت سلونیکا کی یہودی برادری کی شناخت بن گئی۔ 1515ء کے بعد عثمانوی حکومت کی گرم کپڑے سے متعلق تمام ضروریات خصوصاً فوجی یونیفارم کا ٹھیکہ سلونیکا کی یہودی برادری کو ملنے لگا۔ بعدازاں سلطان سلیم دوئم نے نہ صرف جزیہ بھی کپڑوں کی شکل میں وصول کرنے کی اجازت دے دی بلکہ سلطان کی طرف سے یہ فرمان بھی جاری کیا گیا کہ تمام دیہاتوں میں چرواہے اور مویشی پالنے والے یہودیوں کو ہی اون فروخت کرنے کے پابند ہوں گے۔ یہ ایک بہت بھاری مراعت تھی کیونکہ اس کی وجہ سے یہودیوں کو اون مارکیٹ سے کم ریٹ پر میسر ہوتا اور اسی طرح تمام سلطنت میں کپڑا سازی کی صنعت پر ان کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔

سیفارڈی یہودیوں کی تنظیم FASSAC کی ویب سائٹ کے مطابق یہودی عثمانوی

دربار میں ابتدا ہی سے طبیب کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ ہسپانیہ سے آئے ہوئے یہ یہودی پڑھے لکھے بھی تھے اور ایک سے زیادہ زبانیں بھی جانتے تھے اور ان کا یورپ کی یہودی برادری سے رابطہ بھی تھا۔ اس طرح ان کا کردار شروع ہی سے بین الاقوامی رہا۔ ان طبیبوں کا اثر ورسوخ اتنا بڑھا کہ متعدد یورپی ممالک میں انہیں عثمانوی سفیر کی حیثیت سے بھی بھیجا جانے لگا، بعدازاں انہیں فوج میں بھی شمولیت کی اجازت مل گئی۔ تاہم عیسائیوں کو اس کی اجازت بہت دیر سے ملی۔ یاد رہے یہ وہ وقت تھا جب یورپ میں یہودیوں کو انتہائی حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان کی زندگی گھیٹو زتک محدود تھی۔

شباتی زیوی اور خفیہ یہودی کمیونٹی کا قیام

یہودی لٹریچر کے مطابق مسلم ہسپانیہ کے بعد ان کی تاریخ کا سنہرا ترین دور یہی تھا۔ وہ یہاں خوشحالی اور آزادی کی زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے عالمی یہودی برادری میں ہلچل مچا دی۔ یہود کی تاریخ پر متعدد کتب کے یہودی مصنف رافیل مینفر ڈ لیھمین (Manfred Raphael Lehmann) کے مطابق 1655ء میں موجودہ ترکی کے علاقے سمرنا ازمیر کے ایک یہودی عالم شباتی زیوی(Shabbati Zevi) نے یہودی قوم کے مسیحا ہونے کا دعوی کر دیا جس کا یہودی اپنے مذہبی عقائد کے مطابق بہت عرصہ سے انتظار کر رہے تھے۔ اس کا پیغام یروشلم سے سویڈن تک تمام یہودی قوم میں پھیل گیا، یہودی پورے یورپ سے اپنے اثاثے بیچ کر سمرنا پہنچنے لگے تا کہ وہ مسیحا کے ساتھ یروشلم جا سکیں۔

ایک اور یہودی مؤرخ اور شباتی زیوی کی زندگی پر کتاب لکھنے والے گرشوم شولم کے مطابق آرتھوڈوکس یہودی علما کے لئے یہ ایک فتنہ تھا جس سے نمٹنے کے لئے انہوں نے ترک سلطان کی مدد چاہی جس نے ابتدا میں تو سمرنا سے آئے ہوئے بعض یہودی ربیوں کی درخواست پر اسے قید کرا دیا، بعد میں اسے اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا۔

اس موقع پر یہودی برادری خیال کر رہی تھی کہ مسیحا سلطان کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لے گا اور یروشلم کو آزاد کرائے گا، وہ یہ دیکھ کے ہکا بکا رہ گئی کہ سلطان کے سامنے ان کے مسیحا نے اسلام قبول کر لیا۔ تقریباً 300 خاندانوں نے اپنے مسیحا کے ساتھ اسلام قبول کیا اور سلونیکا میں آباد

ہو گئے۔ یاد رہے کہ سلطنت میں اس وقت بڑی تعداد میں یہودی اور عیسائی مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔اس لئے یہ کوئی جبری مذہب کی تبدیلی کا واقعہ نہیں تھا۔

یہ افراد جنہوں نے اسلام قبول کیا، جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مضمون Crypto Jews کے مطابق اسلام اور یہودیت کے درمیان ایک فرقہ بن گئے اور دونیا کہلائے۔ یہ افراد عام لوگوں کے درمیان اسلام پر ہی عمل پیرا رہتے لیکن اندر سے یہودی مذہب پر عمل پیرا رہے، انہوں نے عبادت کے لیے اپنی الگ مسجدیں بنائیں جہاں یہ شروع میں عبرانی زبان ہی میں عبادت کیا کرتے۔ بعدازاں انہوں نے اپنے بچوں کے نام بھی مسلمانوں جیسے رکھے اور انہیں اسلام کی تعلیم بھی دلائی۔ یہ آپس ہی میں شادیاں کرتے اور کبھی مسلمان معاشرے میں ملے جلے نہیں، بعدازاں انہوں نے سماجی طور پر دوبارہ سلونیکا کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے جن کا ان کے ساتھ رویہ ہمدردانہ تھا۔ یہودی ذرائع انہیں خفیہ یہودی قرار دیتے ہیں۔

'دونیما' نامی اس خفیہ یہودی کمیونٹی نے سلطنت عثمانیہ کو بری طرح نقصان پہنچایا۔ یہ کمیونٹی دوسرے یہودیوں کے ساتھ مل کر سلونیکا کی سماجی ثقافتی اور کاروباری منظر نامے پر حاوی رہی اور کچھ مزید یہودی بھی بظاہر اسلام قبول کر کے اس کا حصہ بنتے رہے۔ سرکاری طور پر (عثمانوی ریکارڈ کے مطابق) یہ مسلمان ہی شمار کیے جاتے۔ ان میں سے کچھ افراد حج بھی کرتے تھے، سلونیکا میں یہودی اکثریت کی وجہ سے شبات کے دن کاروبار موقوف رہتا مگر دونیما کام بھی کرتے اور کھانا بھی پکاتے۔ ان میں دولت مند تاجر بھی تھے اور بینکرز بھی متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے بھی تھے اور دانشمند، علما، صحافی اور قانون دان بھی۔ انیسویں صدی تک یہ 'دونیما' اسلامی معاشرے میں بھی نفوذ کر گئے۔ ہر دونیما کے دو نام ہوتے ایک یہودی اور دوسرا ترکی۔

جوان ترک Young Turks انیسویں صدی کے آخر (1886) میں سلونیکا میں 'کمیٹی آف یونین اینڈ پروگریس' کے نام سے ایک تحریک وجود میں آئی جو بظاہر سلطنت عثمانیہ میں اصلاح پسند تحریکوں کا ایک گروپ تھی۔ یہ تحریک عرفِ عام میں ''جواں ترک'' یا Young Turks کہلائی۔ جواں ترک تحریک کے متعدد عہدیدار انقلاب سے پہلے اور بعد باقاعدہ سلطنت عثمانیہ کے تنخواہ یافتہ تھے اور انکی خفیہ میٹنگز فری میسن لاجز میں ہوتیں۔ ان میں متعدد فرانس

کے تعلیم یافتہ بھی تھے۔ان کی دو ابتدائی کانفرنسز پیرس ہی میں منعقد ہوئیں۔ان کا نعرہ تھا: آئین کی بالادستی، مذہب کو سیاست سے الگ کرنا اور ترک قومیّت کے علاوہ ترکی میں مغربی طرز کی اصلاحات متعارف کرانا۔مختصراً ترکی کو ماڈرنائز کرنا یا جدیدیت سے متعارف کرانا۔

جوان ترک انقلاب

1908ء میں سلونیکا ہی کو ہیڈکوارٹر بنا کر فوجی بغاوت کے ذریعے جواں ترک انقلاب کے ذریعہ یہ تنظیم مملکت کے سیاہ وسفید پر حاوی ہوگئی .بعدازاں سلطان کو معزول کر کہ اسکے نوعمر بیٹے کو تخت پر بٹھادیا گیا۔ Shattering Empires: The Clash and Collapse of the Ottoman and Russian Empires کے مصنف مائیکل اے رینولڈ کے مطابق سلطنت عثمانیہ کی تحلیل دراصل Young Turks یعنی جوان ترک انقلاب ہی سے شروع ہوئی۔اس کا مقصد بظاہر آئین کی بالادستی اور سلطنت میں اصلاحات متعارف کرانا تھا لیکن اس تحریک کے قائدین کے فیصلوں نے سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

اسٹینفورڈ یونیورسٹی پریس کی چھپی ہوئی کتاب The Donme: Jewish Converts, Muslim Revolutionaries, and Secular Turks کے مطابق اس تحریک میں سلونیکا کے 'دونیما'، یہودی، معروف خفیہ تنظیم 'فری میسن' کے ارکان کے علاوہ کمیونسٹ بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔قارئین کی آسانی کے لیے ہم مختصراً بتائیں کہ 'فری میسن' ایک عالمی تنظیم ہے اور یہودی برادری کا اس پر غیر معمولی تسلط بتایا جاتا ہے۔یہ دنیا میں بڑی بڑی سازشوں اور خفیہ تبدیلیوں کا درپردہ سبب رہی ہے۔

تھیوڈر ہرزل اور یہودی ریاست کا تصور

انیسویں صدی کے اواخر میں ویانا کے ایک یہودی صحافی تھیوڈر ہرذل نے ''یہودی ریاست'' (The Jewish state) نامی کتابچہ تحریر کیا جس میں یورپ کے یہود مخالف فسادات کے پس منظر میں یہودی قوم کے لیے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ تھیوڈر ہرذل تین مرتبہ استنبول آیا۔آخری دفعہ 1901ء میں اس کی ملاقات سلطان عبدالحمید سے ممکن ہوئی۔متعدد ذرائع کے مطابق ہرزل نے سلطان کو فلسطین کے بدلے سلطنت عثمانیہ کا سارا

قرضہ یہودی بینکرز کے ذریعہ ادا کرنے کی پیشکش کی جسے سلطان نے مسترد کر دیا۔ اسرائیلی اخبار 'ہارٹز' کے ایک مضمون How Herzl Sold Armenians کے مطابق آرمینیائی نسل کشی میں بھی ہرزل کا براہ راست کردار رہا ہے لیکن یہ ایک الگ موضوع ہے۔

عثمانوی سلطنت اور بیرونی قرضہ

یاد رہے کہ یورپ کا مرد بیمار کہلانے والا ملک ترکی 1850ء تک یورپ کا واحد ملک تھا جسے کبھی قرضہ کے لیے بیرونی دنیا سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ جبکہ یورپ کی تمام نو آبادیاتی طاقتیں پندرھویں اور سولہویں صدی ہی سے یہودی بینکرز کی قرض خواہ تھیں لیکن کریمیا کی جنگ اور بعد کی دوسری مہمات کے دوران انیسویں صدی کے اواخر میں عثمانوی سلطنت قرض دار ہوگئی اور یورپی طاقتوں کو اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا موقع مل گیا۔ یہودی بڑی تعداد میں اس وقت محل میں اور حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر کام کر رہے تھے۔ ایک مغربی مصنف کے بقول یروشلم یہود کے حوالے کرنے سے انکار کی قیمت سلطان کو اپنی پوری سلطنت دے کر ادا کرنا پڑی۔

جوان ترک تحریک اور جدید ترک نظریہ کا بانی ایمونوئل کاریسو

The Donme نامی کتاب ہی کے مطابق بیشتر جوان ترک رہنماں کے پاس اطالوی شہریت بھی موجود تھی اور اٹلی کے فری میسن لاجز سے بھی ان کا تعلق تھا۔ سلونیکا کے فری میسن لاج کا گرینڈ ماسٹر ایک یہودی وکیل اور جواں ترک کا سرگرم کارکن ایمونوئل کاریسو Emmanuel Carrasso کو مقرر کیا گیا۔ یہ ان تین افراد میں شامل تھا جنہوں نے اپریل 1909ء میں سلطان عبدالحمید کو محل میں ان کی معزولی کے احکامات سنائے۔

ایمونوئل کاریسو اور پان ترک ازم کا نظریہ

ہم دوبارہ یاد دلا دیں کہ سلطنت عثمانیہ سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک تین براعظموں پر پھیلی ہوئے مختلف زبانیں بولنے والی مختلف مذہبی عقائد سے وابستہ بے شمار نسلی

گروہوں پر کامیابی سے حکومت کرتی رہی۔ ایمونوئل کاریسو کو ترک قومیت کے نظریہ کا بانی کہا جاتا ہے جس نے ایک ایسے موقع پر جب سلطنت عثمانیہ میں ترکی کے علاوہ عربی، البانوی، یونانی، آرمینائی اور کرد باشندہ اور مختلف زبانوں کو بولنے والے افراد لاکھوں کی تعداد میں موجود تھے، پان ترک ازم یعنی متحدہ ترک قومیّت کا نعرہ لگایا۔ اس نعرے نے مشرق وسطی سے تعلق رکھنے والے عربی بولنے والوں کے علاوہ دیگر قومیّتوں کے افراد کو بھی استنبول کی مرکزی حکومت سے متنفر کیا۔

لارنس آف عربیہ

ادھر برطانیہ کی طرف سے لارنس آف عریبیہ کو عرب علاقوں میں بغاوت برپا کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ ادھر جواں ترک حکومت نے جان بوجھ کر ایسے اقدامات کرنا شروع کیے کہ عربی بولنے والے اور دیگر قومیتوں مثلاً البانوی النسل افراد میں قومیت اور زبان کی بنیاد پر مایوسی پھیلی، مثلاً البانیہ میں مفتیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ عربی زبان کو لازم قرار دیں۔ البانیہ میں اگرچہ مسلمان بڑی تعداد میں موجود تھے مگر وہاں البانوی زبان ہی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ دمشق میں جمال پاشا نے بڑی تعداد میں عرب قوم پرستوں کو پھانسی پر چڑھایا۔ آرمینیہ کے عیسائیوں سے بھی بہت سختی سے نمٹا گیا جس کے باعث اس خطے میں روس کی دخل اندازی ممکن ہوئی۔ اس انقلابی حکومت نے اقتدار میں آتے ہی اسی طرح کے اقدامات سے سلطنت عثمانیہ کے تمام خطوں میں بے چینی پھیلانے کی کوشش کی۔

جوان ترک انقلاب کے کچھ مہینوں بعد اکتوبر 1908ء میں آسٹریا ہنگری نے بوسنیا ہرزیگووینیا پر قبضہ کرلیا اور بلغاریہ نے سلطنت عثمانیہ سے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ 1912ء میں اٹلی نے لیبیا اور الجیریا کے جزائر پر قبضہ کرلیا اور جواں ترک حکومت کے فوجی رہنما انور پاشا بغیر مزاحمت کے لیبیا اٹلی کے حوالے کرکے خود استنبول چلے آئے جہاں انہیں ان کی شاندار خدمات پر ترقی دیدی گئی۔ اس سے قبل وہ جرمنی میں ترکی کے سفیر تھے اور جرمنوں کو عثمانوی فوج اور بحریہ کی تنظیم نو کی دعوت دے چکے تھے۔ اگرچہ لیبیا میں اٹلی کے نوآبادیاتی قبضہ کے خلاف مقامی مزاحمت جاری رہی۔ لیبیائی مزاحمتی لیڈر عمر مختار کی جدوجہد پر مبنی فلم Lion of Desert اسی مقامی مزاحمت کے پس منظر میں بنی۔ واضح رہے کہ اس سے قبل سلطنت عثمانیہ بھی استنبول سے لیبیا

اور شمالی افریقہ کے دوسرے خطوں پر حکومت کرتی رہی لیکن لیبیا کی عربی بولنے والے مسلمانوں نے اسے کبھی نوآبادیاتی طاقت نہیں سمجھا۔ پچھلی پانچ صدیوں میں سلطنت عثمانیہ نے کتنے ہی ایسے علاقوں پر حکومت کی جو استنبول سے ہزاروں میل کے فاصلے پر تھے اور جہاں ترکی نہیں بولی جاتی تھی مگر اب صورتحال مختلف تھی۔ ایمونوئل کاریسو کا تخلیق کردہ پان ترک ازم کا نظریہ سلطنت عثمانیہ کے کونے کونے میں بے چینی پھیلا رہا تھا۔

سن 13-1912ء میں جوان ترک کے زیر حکومت ترکی نے جنگ بلقان اوّل و دوئم کے نتیجے میں اپنے تمام یورپی علاقے کھو دیے اور تقریباً بغیر مزاحمت کے مذاکرات کی میز پر ان سے دست برداری کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ مذاکرات کی میز پر مقدونیہ کو یونان بلغاریہ اور سربیا میں تقسیم کر دیا گیا۔ سلونیکا یونان کے حصے میں آیا اور البانیہ کی آزادی کو یورپی دباکے تحت تسلیم کر لیا گیا جب کہ وہاں علیحدگی کی کوئی قابل ذکر جدوجہد موجود نہ تھی۔ البانیہ میں ایک جرمن شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

سلونیکا سے اٹھنے والے اس انقلاب کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ تیزی کے ساتھ بکھرنا شروع ہو گیا۔ ترکی اور یونان کی حکومتوں کے درمیان یونانی اور مسلمان شہریوں کا جو تبادلہ عمل میں آیا اس میں سلونیکا کی دو نیما آبادی (جس کا سرکاری ریکارڈ میں مسلمان کے طور پر اندراج تھا) استنبول، انقرہ اور دیگر شہروں میں منتقل ہوگئی تاہم یہاں سے سلونیکا کی یہودی برادری کا زوال شروع ہو گیا۔ 1917ء میں ایک آگ کے نتیجے میں یہاں کے پچاس ہزار یہودیوں کو اسرائیل اور دیگر مقامات پر منتقل ہونا پڑا۔ 1923ء میں یونان نے یہاں ایک لاکھ عیسائیوں کو بسایا جس سے سلونیکا کی یہودی برادری کی حیثیت تقریباً ختم ہوگئی اور ان کے مستقبل پر آخری ٹھپہ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی فوجوں نے لگایا۔ یہودی ذرائع کے مطابق تقریباً تمام یہودی آبادی کو جرمنی اور پولینڈ میں واقع جنگی کیمپوں میں ہولوکوسٹ کا نشانہ بنا دیا گیا، سلونیکا کے صرف دو سے چار فیصد یہودی اس انجام سے بچ سکے۔

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست

جنگ عظیم اوّل کے دوران سلونیکا نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف برطانیہ، فرانس اور اٹلی

کے اتحادی افواج کے آپریشنز میں بیس کیمپ کا کردار ادا کیا۔ 1908ء سے 1918ء تک سلطنت عثمانیہ پر جواں ترک تحریک کے تین پاشاں کی حکومت رہی۔ طلعت پاشا وزیر داخلہ، انور پاشا وزیر جنگ اور احمد جمال پاشا وزیر بحریہ۔ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ جنگ عظیم اول کے دورانیہ میں سلطنت کے اہم ترین فیصلہ ان کے ذریعے صادر کیے گئے۔ ان میں انور پاشا لیبیا اور بلقان کی جنگ میں ناکامی اور احمد جمال پاشا سوئز اور عرب بغاوت کی ناکامی اور آرمینیائی نسل کشی کا ذمہ دار رہا جبکہ طلعت پاشا جرمنی سے اتحاد کا ذمہ دار قرار پایا۔ یہ تینوں ترکی کو جنگ عظیم میں دھکیلنے کے بھی براہ راست ذمہ دار تھے جس نے سلطنت کی عسکری قوت کو بری طرح تباہ کر کے رکھ دیا اور بالآخر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کی شرکت

جنگ عظیم کی ابتدا میں ترکی نے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا تھا مگر ترک بحریہ میں شامل جرمن آفیسرز نے اچانک ترک جہازوں سے روس کی بندرگاہوں پر بمباری کر دی۔ یہ جہاز ترک بحریہ کو ماڈرنائز کرنے کے لیے جرمنی ہی سے خریدے گئے تھے اور ان پر اسٹاف جرمن ہی تھا۔ ماڈرنائزیشن کے بجائے زبردستی ترکی کو جنگ عظیم میں دھکیل کر لے گئے۔ اگرچہ ترکی نے اس واقعہ کو افسوس ناک قرار دیتے ہوئے اتحادیوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اس حملہ میں ترکی کا کوئی کردار نہیں مگر فرانس برطانیہ اور اٹلی پر مشتمل اتحاد نے اسے جنگ عظیم میں ترکی کی شمولیت کا اعلان گردانا۔

جنگ عظیم کے دوران فلسطین کی یہودی بستیوں سے بھی سلطنت عثمانیہ کے خلاف برطانیہ کے لیے جاسوسی کے واقعات منظر عام پر آئے۔ جیوش ورچوئل لائبریری کی ویب سائٹ کے مطابق Nili Spy Ring نامی جاسوسی کے نیٹ ورک کے کچھ ارکان جن میں کم از کم ایک لڑکی شامل تھی، جنگ عظیم اوّل کے دوران فلسطین کی یہودی بستی Zikhron Yakov سے برطانیہ کو عثمانوی فوجوں کی لوکیشن کی اطلاع دیتے ہوے پکڑے گئے۔ یاد رہے Zikhron Yakov بھی ایڈمنڈ روتھشلڈز ہی کی سرمایہ کاری سے قائم کردہ یہودی بستی تھی۔ یہ واقعہ اس لئے بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ سارا نامی صیہونی جاسوس لڑکی نے گرفتاری سے بچنے کے لئے اپنے حلق میں گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔ آج اس جاسوسی نیٹورک کے ممبر مملکت اسرائیل کے ہیروشمار ہوتے

ہیں جن کی زندگی پر کتابیں لکھی جارہی ہیں۔یادرہے یہ یورپ سے آئے ہوئے لاکھوں اشکنازی یہودیوں میں شامل تھے جوایک منصوبے کے تحت انیسویں صدی کے اواخر سے پہلی جنگ عظیم تک فلسطین میں منتقل ہوے۔تھیوڈور ہرزل کے یہودی ریاست کے منصوبے کے بعد سے یورپ کے متمول یہودی بڑے پیمانے پر فلسطین میں زمینیں خرید کر جدید سہولیات سے آراستہ یہودی بستیاں بسا رہے تھے۔لیکن عثمانوی حکام کے کانوں پر جوں تک نہ رینگ رہے تھی نہ ہی جنگ عظیم کے بعد فلسطین پر برطانوی قبضے اور بالفورڈکلریشن کے اعلان تک فلسطینیوں کواس منصوبے کی بھنک ملی۔

جنگ عظیم کے دوران عثمانوی فوج کو لاتعداد محاذوں پر بلاوجہ اپنی قوت برباد کرنا پڑی جس سے نہ صرف فوج تباہ ہوگئی بلکہ ترک قوم بھاری قرضے تلے دب گئی۔سات اکتوبر 1918ء کو ترکی کو بیچ منجدھار میں چھوڑ کر جواں ترک حکومت نے استعفی دیدیا۔اگرچہ ہرمحاذ پر ترک فوج ناکام نہیں تھی تاہم 30 اکتوبر 1918ء کو مدروس معاہدے پر دستخط کر دیے گئے جس کے تحت سلطنت عثمانیہ نے ایک بار پھر مذاکرات کی میز پر برطانیہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔معاہدے کے مطابق سلطنت عثمانیہ حجاز (مکہ اور مدینہ) یمن، شام، میسوپوٹامیہ (عراق) ٹریبولیٹانیہ اور سائرنیشیا (موجودہ لیبیا) سے دست بردار ہوگئی۔اتحادیوں نے آبنائے باسفورس کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ باتوم (موجودجارجیا) بھی اتحادیوں کے قبضے میں چلا گیا۔اناطولیہ کے چھ آرمینیائی صوبے سے بھی سلطنت کو ہاتھ دھونے پڑے جو بعدازاں روس کی عمل داری میں چلے گئے۔اس کے علاوہ سلطنت عثمانیہ کے تمام اسٹرٹیجک خطوں کو اتحادی فوج کے اختیار میں دیدیا گیا۔یہی نہیں بلکہ ترک فوج کو ڈی موبلائز کر دیا گیا، تمام ترکی بندرگاہیں، ریلوے اور اسٹریٹیجک اہمیت کے حامل خطے اب اتحادی افواج کے استعمال کے لیے دستیاب تھے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ معاہدے پر دستخط کے پانچ دن بعد یہ باہمت جوان ترک طلعت پاشا انور پاشا اور جمال پاشا ایک جرمن آبدوز میں بیٹھ کر ترک فوج کو کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر جرمنی فرار ہوگئے۔ترک قوم ان کے اس طرح فرار پر ہکا بکا رہ گئی۔

اتاترک: جواں ترک کا ایک اہم لیڈر

اس کے بعد کمال اتاترک کا کھیل شروع ہوتا ہے جو جوان ترک ہی کا ایک اہم لیڈر تھا۔نہ معلوم اسباب کے باعث مغرب اور اسکے پیچھے مسلم دنیا بھی اسے ایک عظیم لیڈر کے طور پر

پراجیکٹ کرتی رہی ہے اور یہ اسرائیل کی آنکھ کا بھی تارا ہے۔ اس کا ثبوت اسرائیل کے شہر بیئر شیبہ میں نصب اس کا مجسمہ ہے۔ سن 1908ء میں سلونیکا کے جوان ترک انقلاب کے ذریعہ سلطنت کی تحلیل کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا 1920ء میں معاہدہ سیوآرز اور 1923ء میں معاہدہ لوزآن میں اس کی تکمیل کر کے خلافت کے خاتمے پر مکمل مہر ثبت کر دی گئی۔

یہ بات واضح ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کیے بغیر اسرائیل کا قیام ممکن نہ تھا۔ ترکی کو جنگ میں دھکیل کر فلسطین کا قبضہ برطانیہ کو دلایا گیا جس سے اسرائیل کے قیام کی بھی راہ ہموار ہوئی اور عربوں کی تیل کی دولت پر تسلط رکھنا بھی مغرب کے لئے آسان ہو گیا۔ برطانیہ نے 1917ء میں بالفور ڈِکلیریشن کا اعلان کیا۔ ایک اور دلچسپ بات یہ کہ جنگ کے نتیجے میں جرمنی (جس کا السّاس اور لورین نامی حصہ کچھ عرصے کے لئے فرانس کی ملکیت رہا) کو چھوڑ کر کسی اور مملکت کی حدود میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آئی مگر تین براعظموں پر پھیلی ہوئی سلطنت عثمانیہ کو لاتعداد حصوں میں منقسم کر کے بالآخر خلافت کو ختم کر دیا گیا۔ حالانکہ جنگ کا اصل تھیٹر بظاہر یورپ تھا مگر ہمارے لئے جو بات غور و فکر کے لائق ہے وہ یہ کہ جن ترکوں اور عربوں کی ناک کے نیچے یہ منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے، وہ اتنے عرصے چین کی نیند کیوں سوتے رہے؟

یورپ بیداری سے پہلے

مولانا سیّدمحمد واضح رشید حسنی ندوی

(بشکریہ ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، اپریل، مئی 2017ء)

یورپ مسلمانوں کو جاہل و ناخواندہ قوم ہونے کا طعنہ دیتا ہے اور اس کی ذمہ داری اسلام پر ڈالتا ہے، حالانکہ یہ وہی یورپ ہے جس نے مسیحیت کی ماتحتی میں ہزار سالہ مدت ایک اَن پڑھ قوم کی حیثیت سے بسر کی ہے، جس میں یورپ کے بڑے بڑے لیڈر اَن پڑھ اور جاہل تھے۔ لاویس رامبو (Lavisse EtRambaud) اپنی کتاب 'تاریخ عام' (Historie Generate) میں کہتا ہے:

''انگلینڈ ساتویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک انتہائی غریب اور پسماندہ تھا، خارجی دنیا سے بالکل کٹا ہوا تھا، وحشت و بربریت اور درندگی کا دوردورہ تھا، مکانات کچی مٹی کے بنائے جاتے تھے، مہلک امراض اور وبائیں عام تھیں، انسان جانوروں سے بھی گیا گزرا تھا، سردار قوم بھی اپنی پوری فیملی کے ساتھ ایک چھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا، پورا یورپ اس وقت گھنے جنگلات پر مشتمل تھا، زراعت و کاشتکاری نہ ہونے کے برابر تھی، خانہ جنگی، قتل و غارتگری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرام تھا، پیرس اور ولندرا میں مکانات گھاس پوس کے ہوتے تھے، جن میں نہ کھڑکیاں ہوتیں اور نہ کمرے، بستر اور چٹائی کا وجود نہیں تھا۔ مرد، خواتین اور بچے غرض پوری فیملی ایک چھوٹے اور تنگ و تاریک کمرہ میں رات گزارتی تھی اور اسی

میں پالتو جانوروں کو بھی ٹھہراتے تھے، وہاں سڑکیں تھیں نہ نالیاں اور نہ ہی چراغ اور روشنی کا کوئی سامان۔''

مؤرخ ڈرپیر (Draper John William) کہتا ہے:

''یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا، اوہام وخرافات کی حکمرانی تھی، علاج ومعالجہ سب مقدس مقامات کی زیارت پر منحصر رہ گیا تھا، فن طب مردہ ہو چکا تھا، جوگیوں اور شعبدہ بازوں کی دکانیں چمک اُٹھی تھی۔''

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:

''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی۔ کیونکہ اس کی مثال ایک بڑی تمدن کی لاش کی سی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''

میکسم پٹی (Maxime Petit) اپنی کتاب 'تاریخ عام' میں لکھتا ہے:

''پرانی دنیا گیارھویں صدی عیسوی میں دو حصوں میں منقسم تھی، مغرب اور مشرق۔ مغرب چھوٹے چھوٹے بے حیثیت شہروں پر مشتمل تھا جہاں کسانوں کی جھونپڑیاں اور بے ہنگم گھر تھے۔ قلعوں کی تعمیر میں کسی فنی اصولوں کی رعایت ملحوظ نہ رکھی گئی تھی۔ وہاں قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ رہزنی وقزاقی کے خوف سے دس قدم بھی چلنا دوبھر تھا۔ دوسری طرف مشرق میں قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق وبغداد کے سے عظیم الشان آباد و پر رونق شہر تھے جو اپنے حسن ودلکشی اور جاذبیت ودلبرائی میں الف لیلائی دنیا کے شہر معلوم ہوتے۔ یہاں قیمتی پتھروں اور سنگ مرمر کے مکانات تھے۔ مساجد و مدارس، اسکول، تربیتی مراکز اور خانقاہوں کی کثرت تھی۔ بڑے بڑے پُر رونق

بازار تھے۔ جگہ جگہ وسیع اور سایہ دار باغات کا انتظام تھا۔ نظام آب پاشی تھا جس کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات سرسبز و شاداب تھے۔ تجارت شباب پر تھی۔ تاجر نہایت اطمینان کے ساتھ اسپین سے ایران تک کا سفر کرتے تھے۔''

سنیو بوس (Sanyo Boss) کہتا ہے:

''عالم اسلام اور بیزنطینی دنیا مغربی دنیا سے خوشحالی، حسن نظام اور روشنی علم و ہنر میں ممتاز اور فائق تھے۔ خود نصرانی اپنے اندر تہذیبی و تمدنی نقص اور کمی محسوس کرتے تھے اور مشرق کی علمی و تمدنی ترقی سے مبہوت تھے۔ ان میں جس کو پڑھنے کا شوق ہوتا وہ دنیائے عرب کا رُخ کرتا، وحشی اور غیر متمدن نصرانی، متمدن مسلمانوں کا گہوارہ علم و ہنر اور جائے امن و امان میں جنگ اور تجارت دو راستوں سے داخل ہوئے۔''

پانچویں صدی ہجری میں جب صلیبی مشرق میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کے متمدن اور منظّم شہر دیکھے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

عباسی خلیفہ ہارون رشید کا معاصر یورپی شہنشاہِ اعظم شارلیمان جس وقت ناخواندگی اور جہالت کی تاریکی میں تھا، عرب علماء بغداد اور قرطبہ میں فلسفہ، علوم و فنون اور ادبیات کے میدان میں نئے نئے گوشے وا کر رہے تھے، نادر تحقیقات پیش کر رہے تھے اور یونانی، کلدانی پہلوی اور عبرانی زبانوں سے علوم عربی زبان میں منتقل کیے جا رہے تھے۔ عباسی خلیفہ منصور کے لیے عجمی زبان سے عربی میں ترجمے کیے گئے۔ ارسطاطالیس کی منطق، ہندسہ، فلکیات کے موضوع پر کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ یونانی، پہلوی، فارسی اور سریانی زبانوں سے قدیم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ یہ کتابیں عام لوگوں کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ ان کو حاصل کر کے ان کے مطالعہ میں غرق ہو جاتے۔

یورپی امراء و سلاطین میں جہالت اور ناخواندگی کے عموم کی وجہ سے ان میں بربریت و درندگی غالب تھی، وہ قیدیوں کو قتل کر دیتے، عورتوں کی آنکھیں پھوڑ دیتے، ان کی ناک، کان کاٹ لیتے۔ درندگی اور قساوت قلبی کی یہ حالت چودھویں صدی اور پندرھویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ وہ معمولی معمولی بات پر سالہا سال لڑتے رہتے۔ ان کا مقصد زندگی صرف اور صرف لوٹ کھسوٹ تھا، تاجروں کو سرراہ روک لیتے، ان کو قیدی بنا لیتے اور ان کو سخت اذیت پہنچاتے۔

ڈوزی لکھتا ہے:

''یورپ میں لوگ جہالت کی تاریکی میں سرگرداں تھے، انہیں کہیں روشنی نظر نہیں آتی، روشنی تو صرف مسلمان کی طرف سے آ رہی تھی۔ علوم وفنون، ادبیات، فلسفہ و صنعت اور زندگی کے دیگر میدانوں میں امت اسلامیہ رہبری کر رہی تھی۔ بغداد، سمرقند، بصرہ، دمشق، قیروان، مصر، ایران، غرناطہ اور قرطبہ علم ومعرفت کے عظیم مراکز تھے۔ مملکت اسلامیہ میں چھوٹے مدرسے اور مسجدیں بھی بڑے بڑے کتب خانوں سے معمور تھیں جہاں ہر شخص کو پڑھنے کی اجازت تھی۔ جبکہ یورپ کے مرکزی شہر دیہاتوں کی طرح تھے، جہاں نہ تو علم تھا اور نہ آبادی۔ یورپ مادّی، ادبی، تہذیبی اور علمی ہر اعتبار سے بڑا پسماندہ تھا۔''

ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے:

''اسلامی اندلس میں اس وقت گھر گھر علم کا چرچا تھا جب کہ مسیحی دنیا میں بجز چند افراد کے کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔''

رابرٹسن (Robertson) لکھتا ہے:

''پندرھویں صدی عیسوی کی ابتداء میں اندلس کے بہت سے شہر یورپ کے باقی شہروں سے زیادہ آباد اور مالا مال تھے۔ عربوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے زیر اثر شہروں میں کارخانے اور انڈسٹریاں قائم کیں۔''

مسلمانوں کے ملک علمی وتعلیمی اداروں سے آباد تھے۔ جہاں اہل علم کا انتخاب مذہب کے بجائے ان کی علمی صلاحیت اور ان کے اختصاص کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

گبن (Gibben) لکھتا ہے:

''صوبوں کے مسلمان گورنر اور وزراء علم اور اہل علم کی خدمت، اکرام، سکولوں، تعلیمی اداروں کی دیکھ بھال اور نادار طلبہ کی کفالت میں امراء اور بادشاہوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ اس تنافس سے تحصیل علم کا ذوق وشوق عام ہو گیا اور اس طرح سمرقند و بخارا سے لے کر فارس اور قرطبہ تک لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا عام چلن

ہوگیا اور تعلیم و تعلّم محبوب مشغلہ بن گیا۔ نظام الملک طوسی نے ایک سال میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی تعمیر و ترقی میں دوسو ہزار دینار خرچ کیے اس میں پڑھنے والوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔''

گستاؤلیبان (Gustave lebon) لکھتا ہے:

''یورپ میں جہالت و ناخواندگی کی تاریکی طویل عرصہ سے چھائی چلی آ رہی تھی۔ گیارھویں بلکہ بارھویں صدی عیسوی میں علم کی طرف کچھ میلان شروع ہوا۔ جب بعض روشن دماغ یورپین میں یہ احساس پیدا ہوا کہ جہالت کے کفن کو اتار پھینکا جائے تو عربوں کا رُخ کیا۔ اور ان سے کسب فیض کیا؛ اس لیے کہ عرب ہی اس زمانہ میں علم وفن کے رہبر و سرچشمہ تھے۔''

1130ء میں پادریوں کے سربراہ ریمونڈلل کی نگرانی میں دارالترجمہ قائم ہوا، جس میں مشہور عرب مصنّفین کی تصنیفات لاطینی زبان میں منتقل کی گئیں۔ اس کے بعد عربی سے لاطینی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں ترجمے شروع ہوئے۔ اس طرح یورپ ایک نئی دنیا سے روشناس ہوا۔ لاطینی زبان میں صرف رازی، ابوالقاسم اور ابن رشد ہی کی تصنیفات ترجمہ نہیں ہوئیں بلکہ یونانی حکماء اور فلاسفہ مثال کے طور پر جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو اور بطلیموس کی وہ کتابیں بھی لاطینی زبان میں منتقل ہوئیں جن کو مسلمانوں نے اپنی عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔

ایک انگریز مؤرخ کے مطابق مغرب نے صرف طب میں 300 کتابیں عربی سے لاطینی زبان میں منتقل کیں۔

تیرھویں صدی میں اٹلی میں ان تعلیم یافتہ افراد کی بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی جنہوں نے اندلس میں عربی اور اسلامی تہذیب وتمدن سے واقفیت حاصل کی تھی۔ چنانچہ اس طرح عربی زبان کی مدد سے یورپ ارسطو اور اس کی تصنیفات سے واقف ہوا۔ اور یہ واقفیت عربی زبان میں کیے گئے ترجموں کی مدد سے ہوئی یہ عرب ترجمے اور عربی کتابیں طویل عرصہ تک یورپ کے ان کالجوں اور دانش گاہوں میں شامل نصاب رہیں جو عربی مدارس کے طرز پر قائم کیے گئے تھے۔

جرمن مستشرقہ ڈاکٹر زیگرڈ ہونکہ شمس الاسلام تطلع علی الغرب (مغرب پر

اسلام سورج طلوع ہو رہا ہے) میں رقمطراز ہیں:

''چھ صدیاں پہلے پورے یورپ میں صرف پیرس کے میڈیکل کالج میں ایک چھوٹی لائبریری قائم تھی جس میں صرف ایک کتاب تھی اور وہ بھی ایک عرب مصنف کی۔ یہ بڑی قیمتی اور پر از معلوم تھی۔ اس وقت کے سارے نصرانیوں کے بادشاہ لوئس یازدہم نے ایک مرتبہ اس کتاب کو عاریۃً لینا چاہا تو اسے بھی بطور ضمانت ایک خطیر رقم جمع کرنا پڑی۔ لوئس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے پرائیویٹ معالجین اس کتاب کی ایک نقل تیار کر لیں تاکہ جب بھی بادشاہ سلامت کو عارضہ اور کوئی بیماری لاحق ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ یہ کتاب کیا ہے ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا۔ اس میں 921ء تک کے تمام قدیم یونانی طبی علوم جمع کر دیے گئے ہیں۔''

مزید لکھتی ہیں:

''رازی نے میڈیکل سائنس اور طبابت کے موضوع پر جو ضخیم اور عظیم کتاب تصنیف کی ہے وہ یورپ میں 1466ء۔1498ء چالیس مرتبہ طبع ہوئی۔ اس میں نقرس، پتھری، مثانہ، گردے اور بچوں کے امراض کے متعلق بحث کی گئی ہے اور یہ اپنے موضوع پر حجت اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔''

آگے لکھتی ہے:

''اگر ہم یہ کہیں تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کہ یورپ نے تقریباً تین سو سال تک صرف اور صرف عربوں کی ہی تصنیفات اور تحقیقات پر کلی اعتماد کیا ہے۔''

میسولیٹری لکھتے ہیں:

''اگر تاریخ میں عرب منصۂ شہود پر نمودار نہ ہوتے تو علوم وفنون اور تہذیب وتمدن میں یورپ کی بیداری کئی صدی اور مؤخر ہو جاتی۔''

خود اہل مغرب نے اس کا اعتراف کیا ہے اور بیداری سے پہلے اپنی علمی محرومی اور تعلیمی پسماندگی کا تذکرہ کیا ہے اس وجہ سے اس زمانہ کو (500ء 1100ء) تاریک دور (Dark Age) شمار کیا ہے۔

ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے:

''گیارھویں صدی عیسوی میں جس وقت مغرب کے بڑے بڑے رؤساء اور جاگیرداروں کو اپنی جہالت اور ناخواندگی پر فخر و ناز تھا، اس وقت اسپین میں مسلمانوں کے قرطبہ میں ایک عظیم کتب خانہ تھا، جس میں صرف ہاتھ کی لکھی ہوئی ساٹھ ہزار کتابیں تھیں۔''

رینہ مارسیال (Rene Mrtial) اور لاویس لکھتے ہیں:

''بارھویں صدی عیسوی میں فرانس، جرمنی اور اٹلی میں ایک کتاب بھی ملنی مشکل تھی، جبکہ دوسری طرف صرف اندلس (اسپین) میں مسلمانوں کے پاس ستر کتب خانے تھے، جن میں بڑی قیمتی اور نادر کتابیں تھیں۔''

یورپ نے جب علم کی تلاش شروع کی تو سب سے پہلے اندلس کا رخ کیا جہاں قرطبہ طلیطلہ اور بلنسیہ میں عظیم یونیورسٹیاں قائم تھیں۔

ناخواندگی اور جہالت کی یہ گھٹا ٹوپ تاریکی دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی، مسلمانوں سے استفادہ کے بعد ہی ان میں علم وتمدن کا رواج ہوا، یورپ کی تاریخ کا سب سے مشکل اور تاریک دور دسویں صدی عیسوی ہے جس میں اربابِ کلیسا اور اہل علم کے درمیان شدید کشمکش جاری تھی، سینکڑوں اہل علم کو کلیسا کے معاندانہ رویہ کی وجہ سے تختہ دار پر چڑھا دیا گیا، اٹلی، فرانس، اسپین اور جرمنی میں عقائد وتعلیم کی چھان بین کے لیے تحقیقی عدالتیں (Couts of Inquistion) قائم کی گئیں اور اربابِ علم ودانش کو کفر والحاد کے الزام میں گرفتار کر کے سفاکانہ سزائیں دی گئیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق جو لوگ ان عدالتوں کی بھینٹ چڑھے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے، جن میں بتیس ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔

ڈریپر نے لکھا ہے:

فرانسیسی سلوسٹر دوم (Sylvestre) (930ء۔1003ء) جو یورپ کے کسی شہر میں ایک کلیسا میں تھا، ایک مرتبہ اندلس (اسپین) گیا اور اشبیلیہ اور قرطبہ میں قیام کیا اور عرب علماء وحکماء سے حساب اور سائنس کا علم حاصل کیا، جب وہ سائنس

اور دیگر علوم سیکھ کر وطن واپس آیا تو لوگوں نے اس کو ساحر (جادوگر) خیال کیا اور بعض حکمرانوں نے اس کو اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا اور مختلف عہدوں اور مناصب عالیہ سے گزر کر پوپ کے منصب پر فائز ہوا، لیکن جب قدامت پرستوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے اس کو اور اس کے حامی بادشاہ کو قتل کر دیا۔

محکمہ احتساب سائنس (انکویزیشن) کی قربان گاہ پر قرون وسطیٰ میں پاپاؤں کے ہاتھ بیسیوں محققین سائنس، علمی انکشافات وایجادات کے گناہ میں نذر چڑھ گئے، پادری سمجھتے تھے کہ زمین کا گول کہنا بھی مذہب کی تردید ہے، مشہور سائنسدان گلیلو (Galileo) کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا، کوپرنیک (Copernic) نے حرکت ارض ومرکزیت شمس کے اثبات یا نظام فیثاغورث کی تائید کی، تو اس کو قید کی سزا ملی اور قید ہی میں مر گیا، برونو (Brunoe) اس جرم میں جلا دیا گیا کہ تعدد عوالم کا قائل تھا۔'' (مذہب وعقلیات، مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ)

1055ء میں صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور پوپوں نے پورے یورپ میں جنگ کا ماحول پیدا کر دیا، ان جنگوں نے اہل یورپ کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، متمدن عرب شہروں کو دیکھنے اور وہاں آنے جانے کا موقع فراہم کیا، مسلمانوں کے نظامِ تعلیم وتربیت سے واقف ہوئے، عالم اسلام کے تمدنی جلوں اور ترقیات سے روشناس ہوئے، اسلامی شہروں کے نظام وقانون، صفائی ستھرائی، چمک دمک اور وہاں کے بازاروں کی رونق اور وسائل زندگی کی فراوانی سے مرعوب ہوئے۔

ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے:

''صلیبی جنگوں نے نسلوں کی تہذیب وتمدن پر بڑا گہرا اثر ڈالا، سماجی اور معاشی بیداری کا راستہ ہموار کر دیا، جو تحریک کی منتظر تھی، صنعت وتجارت کا بازار گرم ہو گیا اور اس طرح علمی اور صنعتی بیداری کے اسباب ومحرکات مہیا ہو گئے۔''

مزید لکھتا ہے:

''اس وقت سے علوم وفنون کی ترقی شروع ہوئی، عرب کے نام اور اصطلاحیں مغرب میں داخل ہوئیں اور رومن کی جگہ لے لی، علم الجبرا کی اصطلاح عربی زبان سے ماخوذ ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ یورپ نے عربوں ہی کی علمی وفنی تحقیقات اور ان ہی کی بنیادی تصنیفات سے خوشہ چینی کی اور مسلمانوں ہی کے بتائے اور بنائے ہوئے اصول ومبادی پر اپنی تمدن وتہذیب کے محل تعمیر کیے ہیں۔ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

''عرب ہی فلکیات، سائنس، کیمیا اور طبی علوم میں ہمارے استادِاوّل ہیں۔''

ای، ایم برن لکھتا ہے:

''بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی میں یورپ کی عقلی ترقی ترکوں کے خلاف مقدس جنگوں کے بجائے شرق ادنیٰ کے ساتھ تجارتی لین دین اور اندلس اور صقلیہ کے مترجمین اور اہل علم کی کوششوں کی رہین منّت ہے۔''

مغرب نے گیارھویں صدی میں طلیطلہ، قرطبہ اور غرناطہ میں قائم اسلامی دانش گاہوں سے کسب فیض کیا اور پھر مسلمانوں کے قائم کیے ہوئے علمی مراکز کے طرز پر اپنے یہاں ادارے قائم کیے۔ برن لکھتا ہے:

''یورپ میں سب سے پرانی یا سب سے پہلی یونیورسٹی گیارھویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی، اس کے بعد گیارھویں اور چودھویں صدی کے درمیان یورپ میں بہت سی یونیورسٹیاں قائم کی گئیں، جرمنی میں پہلی یونیورسٹی چودھویں صدی میں قائم ہوئی۔ جبکہ برطانیہ میں آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیاں تیرھویں صدی عیسوی میں قائم ہوئیں۔''

دنیا میں علم کی نشر واشاعت اور قافلہ علم کی رفتار وترقی ان مسلمانوں کی رہین منّت ہے جنھوں نے دنیا پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکمرانی کی، مسلمانوں کے بڑے شہر قاہرہ، بغداد، قرطبہ، اصفہان، قزوین، تبریز، سمرقند اور بخارا علم ومعرفت کے گہوارے اور عالمی تہذیب وتمدن کے سرچشمے تھے، اگر کلیسا کی طرح اسلام کا بھی رویہ علم کے تعلق سے معاندانہ ہوتا تو قافلۂ علم اسی

حالت میں ہوتا، جس میں ساتویں صدی عیسوی میں تھا، جہاں کتب خانے مقفل تھے، کتابیں ناپید اور مدفون تھیں، غور وفکر اور تدبر پر پابندیاں عائد تھیں، بعض انصاف پسند مغربی فضلاء اور مستشرقین نے انسانیت پر بعثت محمدی کے اثرات واحسانات کا اعتراف کیا ہے اور حقیقت ہے کہ آج دنیا میں جو بھی روشنی علم و ہنر ہے وہ سب بعثت محمدی ﷺ کا فضل واحسان ہے، انسانی تہذیب کے ہر مرحلہ اور میدان میں اسلام کے بے پایاں اور دُوررس اثرات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ رینان (Renan) کہتا ہے:

''البرٹ کبیر ہر چیز میں ابن سینا کا رہین منّت ہے اور سانتوم اپنے تمام فلسفہ میں ابن رشد کا خوشہ چیں ہے، یورپ کا بابائے سائنس روجر بیکن بھی عربوں کا شاگرد تھا اور وہ خود اپنے شاگردوں کو تلقین کیا کرتا تھا کہ اگر صحیح علم حاصل کرنا ہے تو عربی سیکھو۔''

گستاؤلیبان لکھتا ہے:

''عربوں ہی نے یورپ کو علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن کی دنیا سے متعارف کرایا، عرب ہمارے محسن تھے اور چھ صدیوں تک ہمارے پیشوا اور مقتدار ہے۔''

مزید لکھتا ہے:

عربوں کے یورپ پر بڑے عظیم احسانات ہیں عربوں نے پورے یورپ پر دُوررس، دیرپا اور گہرے اثرات ونقوش چھوڑے ہیں، یورپ کی تہذیب وتمدن اور ترقی کے اصل معمار عرب ہی ہیں، عربوں کے اثرات واحسانات کا صحیح اندازہ اسی وقت لگایا جاسکتا ہے، جبکہ یورپ کا وہ تاریک دور نظروں کے سامنے ہو جس میں بیداری شروع ہوئی، جب ہم نویں اور دسویں صدی عیسوی پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اسپین میں اسلامی تہذیب بامِ عروج پر تھی تو دوسری طرف مغرب میں علمی مراکز چند برجوں سے عبارت تھے جن میں اَن پڑھ اور غیر مہذب حکمران رہتے تھے، جنھیں اپنے ناخواندہ ہونے پر فخر تھا اور یورپ میں تعلیم یافتہ طبقہ جاہل اور نادار راہبوں پر مشتمل تھا۔

رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) کتاب The Making of Humanity

میں لکھتا ہے، یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں، جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں آثار کی گہری چھاپ نہ ہو۔

آگے چل کر لکھتا ہے:

''صرف طبعی علوم ہی (جس میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کی ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہوجاتی ہے، جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں۔''

یورپ نے کلیسا کے خلاف بغاوت کی، اس کے نظام کو بدل دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس نے مذہب سے دُوری اختیار کر لی، لیکن جب وہ مسلم ممالک میں اپنے محققین، دانشور، ڈاکٹر اور معلّمین کے ذریعہ داخل ہوا تو مشنری طاقت کی حیثیت سے داخل ہوا اور علم اور مذہب بلکہ علم اور تبلیغ مسیحیت شانہ بشانہ نظر آئے، یورپ نے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں مبلغین بھیجے، علوم وفنون اور یورپی زبانوں کے معلّمین کو ٹریننگ دی، کارخانوں، لیبارٹریز اور ابتدائی اسکولوں میں کام کرنے والوں کو تیار کیا تاکہ وہ کام کے دوران نصرانی عقائد کی تبلیغ کر سکیں اور جب عالم اسلام پر یورپ کو تسلط حاصل ہوگیا تو بزور قوت نصرانی بنایا گیا، عیسائی اور غیر عیسائی کے درمیان امتیازی سلوک و معاملہ کیا گیا، عیسائی مشنریاں پھیل گئیں مذہبی کتابوں کی طباعت اور اشاعت کے لیے پریس قائم کیا گیا اور صرف عیسائیت کی تبلیغ ہی نہیں کی بلکہ دوسری تہذیبوں کے نقوش مٹائے گئے، دوسروں کے قوانین ختم کر دیے گئے، دوسرے کی تہذیب، تمدن، زبان اور کلچر کو مسخ کر دیا گیا اور ان کو تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا اسی طرح یورپ کا موقف انتقامی خصوصاً مسلمانوں سے انتقام لینے کا تھا۔

اِنفاق فی سبیل اللہ کے ثمرات

محمد رشید عمر
فیصل آباد

جس طرح نماز میں قیام، رکوع، سجود ظاہری اہمیت کے حامل اعمال ہیں اور ان سب کی حقیقت ان کے باطن میں ہے کہ ان ظاہری اشکال میں خشوع اور خضوع اور توجہ کے اعتبار سے تقرب اِلی اللہ میں انسان معراج کو پالے اسی طرح خیرات وصدقات انفاق فی سبیل اللہ کی ظاہری شکل ہیں جو بذات خود محروم، مساکین اور معذورین کے دکھوں کے لئے تریاق ہے لیکن اس کا اصل جوہر یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ جذبہ بیدار ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام صلاحیتوں کو انسانیت کے دکھوں اور مصیبتوں کو ختم کرنے کے لئے لگانے والا بن جائے۔ جب یہ جذبہ کسی فرد یا قوم میں پیدا ہو جائے تو پھر مقدار سے بڑھ کر یہ کیفیت ہے جو متاع الذھب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے دینے والوں کو اللہ کیا کچھ دیتا ہے، اس کو احاطۂ تصور میں لانا مشکل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مضمون مختلف پہلوؤں سے کئی مقامات پر بیان ہوا ہے، سورۂ بقرہ میں یہ مضمون تقریباً دو رکوعوں میں پھیلا ہوا ہے جس میں اس عمل خیر کا اجر وثواب اور خرچ کرنے کے قواعد وضوابط اور پھر اس کے ثمرات مفصل بیان فرمائے ہیں اس مضمون کے درمیان میں یہ آیت مبارکہ ہے:

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا
(البقرۃ:268)

''وہ (اللہ) جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے تو خیر کثیر دے دی گئی''

انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بڑا ثمر حکمت کا عطیہ خداوندی ہے جو کسی فرد کو بھی مل سکتا ہے اور اگر کسی قوم میں یہ وصف ہو تو پوری قوم بھی اس خوبی کی حامل بن سکتی ہے۔ حکمت جسے باری تعالیٰ نے خیر کثیر کہا ہے اس کا ظہور دو صورتوں میں ہوتا ہے: (۱) نعمت ہدایت کا حاصل ہو جانا (۲) اللہ تعالیٰ دنیاوی نعمتوں کے خزانے ان کے لئے کھول دیتا ہے۔ ان خزانوں کا حصول بھی دو صورتوں میں ممکن ہے (الف) دنیا پر اقتدار اور امامت کی شکل میں (ب) تسخیر کائنات کی شکل میں جس میں انسان کائنات کی مادی اشیاء میں چھپے قوتوں کے رازوں کو پا کر بے پناہ قوت اور دولت حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت لقمان کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی تھی اس حکمت کا نتیجہ تھا کہ ان کو مضامین رسالت تک رسائی عطا ہوگئی، جو باتیں انبیاء ورُسل وحی کی روشنی میں لوگوں سے بیان کرتے تھے وہ باتیں انہوں نے حکمت کی روشنی میں جان کر اپنے بیٹے کو وصیت کی شکل میں بیان کیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قیامت تک کے لئے درج فرما دیا۔ جہاں ان کی وصیت کا آخری نکتہ ختم ہوا اس کے فوراً بعد والی آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً (لقمان:20)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں سب کچھ تمھارے لئے مسخر کر دیا اور ظاہری اور چھپی نعمتوں کا تمھارے اوپر اِتمام کر دیا''۔

اگر ہم مانتے ہیں کہ کلام اللہ ایک مربوط کلام ہے تو پھر یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حکمت کا تعلق ایک طرف ہدایت سے ہے تو دوسری طرف مادّی نعمتوں کا فراوانی سے میسر ہو جانا ہے جس وصف یعنی حکمت کی وجہ سے آیاتِ الٰہیہ کے مضامین انسانی دسترس میں آجاتے ہیں۔ ایسے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات عملیہ یعنی مادی کائنات میں اس کی قوتوں کے چھپے رازوں کو منکشف کر کے انسانی فائدے کے کاموں میں لانا بھی مشکل نہیں رہتا ہے۔ جب انسان دینے والے بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک جو سب سے بڑا داتا ہے اس کی

رحمت جوش میں آجاتی ہے اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے خزانے، دینے والوں پر نچھاور کرنا شروع کر دیتا ہے۔

رسالت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے عرب کے حالات پر غور کیجیے۔ ان لوگوں میں بہت سی برائیاں تھیں لیکن ایک اعلیٰ درجے کی خوبی ان کا یہ وصف تھا کہ وہ دوسروں پر خرچ کرنے میں مقابلہ بازی کرتے تھے، جواء کھیلتے تھے اور شرابیں پی کر لوگوں پر اپنا مال لٹاتے تھے۔ اس معاشرے نے حاتم طائی جیسے افراد پیدا کیے جس کا نام سخاوت کے حوالے سے آج بھی ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ وصف اسے اپنی ماں سے ورثہ میں ملا تھا۔ تاریخ ادب عربی میں اس کے متعلق لکھا ہے: ''اس کی تربیت اس کی ماں نے کی تھی جو بہت مال دار ہونے کے علاوہ سخی بھی بہت تھیں اپنے پاس کچھ مال نہ رکھتی تھی اس کے بھائیوں نے ایک مرتبہ اس کا تمام مال روک کر اسے سال بھر تک قید میں رکھا تا کہ فاقہ اور تنگی کا مزہ چکھا کر اسے مال کی قدر و قیمت بتلا دیں پھر جب انہوں نے اسے قید سے نکالا اور مال میں سے اس کا حصہ دیا تو قبیلہ ہوازن کی ایک عورت مدد لینے آئی اس نے وہ تمام مال اسے دے دیا اور کہا کہ بھوک کی جو تکلیف مجھے ہوئی اس کی وجہ سے میں نے قسم کھائی ہے کہ سائل سے کچھ بچا کر نہ رکھوں گی۔ اس فیاض ماں نے اس کی تربیت کی اور یہی خصلت اسے وراثت میں دی۔ جوان ہو کر وہ بڑا سخی ہو گیا حتی کہ سخاوت ہی اس کی خوشی بن گئی۔ (تاریخ ادب عربی، ص 91)

دوسری بہت سی برائیوں کے علی الرغم اس اعلیٰ وصف کے حامل معاشرہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوتا ہے۔ جوانی اور نبوت سے پہلے سلیم الفطرتی اور انسانی خدمت کا یہ وصف آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا نبوت سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت جسے خیر کثیر کہا گیا ہے، اس خزانے کا مالک بنا دیا تھا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کا دروازہ کھولا پھر آپ کی قوم کو ہدایت سے نوازا اور اپنی ظاہری اور چھپی نعمتوں کا اتمام فرما دیا۔ آپ خدائی خزانوں کے تقسیم کار بن کر کھڑے ہو گئے، کیا کچھ آپ نے انسانیت کو نہیں دیا۔ خیر کی کسی چیز کو نشان زد نہیں کیا جا سکتا جو آپ نے انسانیت کو نہ دی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نتیجے میں آپ کی قوم کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آگئیں۔ دنیا کو ہدایت پر لانے کے لئے امامت کا منصب

انہیں حاصل ہوگیا۔انہیں ایسا غلبہ حاصل ہوا کہ وقت کی تمام قوتیں ان کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔ اسلامی علاقوں میں دنیاوی مال واسباب کی ایسی فراوانی ہوگئی کہ کوئی خیرات دینے کے لئے نکلتا تو اسے کوئی فقیر اور محتاج نہیں ملتا تھا۔ یہ ربانی عنایات اس لئے تھیں کہ یہ لوگ اپنی بھرپور توانائیاں خرچ کر کے دنیا کو عدل وانصاف کا نظام دے رہے تھے۔آج دنیا میں جہاں کہیں کوئی خیر نظر آ رہا ہے اس کی بنیادیں فراہم کرنے والے یہی حضرات تھے۔مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ غلبہ کے بعد عیسائی دنیا پر چھا گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا ایک طرف انہیں عیسائیوں کی غلامی سے نکالا دوسری طرف چھپر پھاڑ کر دنیاوی مال ودولت سے انہیں مالا مال کر دیا۔نعمت ہدایت پہلے ان کے سپرد کی ہوئی تھی دنیاوی مال واسباب سے بھی ان کی جھولیاں بھر دیں لیکن انہوں نے نہ تو نعمت ہدایت پر عمل پیرا ہو کر اس کی قدر کی اور نہ مال ودولت کا صحیح استعمال کیا۔مال ودولت کو اپنی تسکین نفس کا ذریعہ بنالیا۔بعض حکمران تو دولت کے ڈھیر جمع کرنے لگے اور بعض نے اللہ کے گھر اور اس کے رسول ﷺ کی مسجد پر اخراجات سے زیادہ اپنے محلات کی تزئین وآرائش پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت نمایاں مسلمان ملکوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور جو باقی ہیں وہ یہود ونصاریٰ کے قرضوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ملک عزیز کی بات کریں تو حکمران جو سیاست کو عبادت کہتے ہیں اپنے ملک اور قوم پر انہیں اعتماد نہیں۔بیمار ہوتے ہیں تو علاج غیر مسلموں سے کراتے ہیں۔ ملک کا سرمایہ لوٹتے ہیں تو غیر مسلموں کے بنکوں میں جمع کراتے ہیں۔کسی ناگہانی آفت میں تباہی کے بعد امدادی سامان بیچ کر کھا جاتے ہیں۔آج وزیر بجلی کا بیان اخبار میں نظر سے گذرا، فرماتے ہیں کہ ملک کی اہم شخصیات اور بڑے بڑے سیاست دان بجلی چوری کرتے ہیں۔ان کے اپنے محکمہ کا حال یہ ہے کہ ڈرائیور کی جاب حاصل کرنے والے کو پہلے یہ گر سکھایا جاتا ہے کہ کھڑی گاڑی کا میٹر آگے چلا کر کس طرح پیٹرول کا بل حاصل کرنا ہے اور اسے مل بانٹ کر کھانا ہے۔کارخانے دار اور صنعت کار منافع اپنے ملازمین پر خرچ کرنے سے زیادہ اپنی مصنوعات کی فحش تشہیر پر خرچ کر دیتے ہیں۔ میری ایک بزرگ عزیزہ جو بچوں کے ساتھ انگلینڈ رہائش پذیر ہیں، نے بتایا ''کہ رشید تمھیں معلوم ہے کہ انگلینڈ ہمارے شہر میں صبح کے وقت ڈبل روٹی ایک پونڈ میں ملتی ہے وہی شام کے وقت ایک پونڈ میں دس ملتی ہیں'' یعنی باسی کر کے

پھینکنے کی بجائے قیمت دس گنا کم کر کے بیچ دیتے ہیں۔ ہمارے شادی گھر اور ہوٹلز شادی بیاہ کے موقع پر بچے ہوئے باسی کھانے کھلانے سے دریغ نہیں کرتے۔ زہر خورا کی کا ڈر انہیں نہیں ہوتا۔ عوام الناس کا حال یہ ہے کہ دو دو تین تین کھانے فریجوں میں پڑے ضائع ہوجاتے ہیں پاس پڑوس میں کسی حاجت مند کی تلاش کر کے اسے نہیں دیتے۔ گھر کے سٹور میں ضرورت سے زیادہ چیزیں پڑی پڑی نا قابل استعمال ہوجاتی ہیں۔ گھر سے باہر نہیں رکھتے کہ کوئی ضرورت مند لے جا کر اپنی ضرورت پوری کر لے۔ جس قوم کے رہنما پست ہمت اور کوتاہ نظر، جس کے رئیس نفس پرست اور دنیا کے حریص اور عوام بے حس اور جذبہ عمل سے عاری اور گھٹیا خواہشات کے پیروکار ہوں، ہدایت پانے اور غلبہ حاصل کرنے کے بنیادی اوصاف سرے سے نظر نہ آئیں، قحط الرجال اور جمود کی کیفیت کا سامنا ہو تو بے اختیار یہ الفاظ قرآنی زبان پر آجاتے ہیں

اَنّٰی یُحۡیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِھَا

''اللہ اس کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا''

اپنے مقابلے میں عالم عیسائیت کو دیکھئے، اگرچہ انہوں نے انسانیت پر بے شمار ظلم ڈھائے ہیں، بے حیائی، معاشی برائیاں اور سیاسی سطح پر اللہ کے مقابلے میں قانون سازی کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لینا ایسے جرائم ہیں جن کی وجہ سے ان کا دنیا میں باقی رہنے کا کوئی اخلاقی جواز نظر نہیں آتا۔ لیکن ان برائیوں کے باوجود ان کے اندر کچھ اعلیٰ انسانی اوصاف بھی ہیں۔ پہلا تاثر تو یہ ابھرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے ملک اور قوم سے مخلص ہیں، مادی وسائل سے محروم، بوڑھے بچے اور بیواؤں کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنا حکومتی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ عوام میں خیرات کا تصور اتنا راسخ ہے (خیرات اور نیکی کا تصور تقریباً ہر نظریہ کے لوگوں میں پایا جاتا ہے چاہے وہ مسلمان نہ بھی ہوں) کہ لوگ ضرورت سے زیادہ چیزیں گھروں سے باہر رکھ دیتے ہیں جس کو جس چیز کی ضرورت ہو وہ بلا جھجک لے جا کر اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے، قرآن مجید کی یہ تعلیم کہ

وَیَسۡئَلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلِ الۡعَفۡوَ

''آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے ضرورت سے زیادہ خرچ کر دو''

اہل ایمان لوگوں کے لئے تھی لیکن اس کا عملی مظاہرہ عیسائی ممالک میں نظر آتا ہے۔ جاپان میں

بڑے سونامی نے تباہی مچا دی تھی، لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے، جو محفوظ تھے انہوں نے اپنی ضرورت سے زیادہ چیزیں گھروں سے باہر رکھ دیں۔ضرورت مندوں نے اپنی عزت نفس مجروح کئے بغیر ضرورتیں پوری کر لیں اور دنیا سے مدد کی اپیلیں کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کتنے دولت مند لوگ ان میں ایسے ہیں جنہوں نے اپنی محنت سے کمائی ہوئی اربوں ڈالر کی دولت عوام الناس کی بھلائی کے کاموں کے لئے وقف کر دی۔ جب لوگ اس طرح اپنے بھائی بندوں کے لئے ہاتھ کھول کر خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی مہربانیوں کے دروازے ان کے لئے کھول دیتا ہے۔عالم عیسائیت کی خوشحالی اس بات کی شاہد ہے۔اگر چہ انہیں ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی لیکن انسانیت کو فائدہ پہنچانے کی خوبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انہیں اپنی نعمتوں کے چھپے اور ظاہر خزانوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہوا ہے۔کائنات کی قوتیں ان کی خادم بنی ہوئی ہیں انہیں دنیا میں برتری حاصل ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کچھ اعلیٰ بنیادی اوصاف حاصل ہیں۔ ان اوصاف میں بنیادی وصف دینے کا ہے وہ اپنے ابنائے ملک وملت کو دے رہے ہیں اور بقیہ دنیا بھی ان کی محنت کے ثمرات سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ان میں ان اوصاف کے پائے جانے کی وجہ سے پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے سینے اپنی ہدایت کے لئے بھی کھول دے گا۔اگر مسلمان اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے نہیں اٹھیں گے تو ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ اسلام کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جائیں۔توبہ اور انابت الی اللہ کا دروازہ ہر کسی کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔امانت اسی کو دی جاتی ہے جو اس کا متحمل ہوتا ہے، جو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے اس کو امانت نہیں دی جاتی۔ان میں اچھے لوگوں کی موجودگی کی خبر قرآن مجید نے بھی دی ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ O يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ O (آل عمران:113،114)

''سب کتاب والے برابر نہیں ہیں (یعنی سب ایک طرح کے نہیں ہیں) ان میں بعضے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے حکم پر قائم ہیں، اللہ کی آیتوں کو رات کے وقت پڑھتے

ہیں اور سجدے کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں کو جلد بجالاتے ہیں اور یہی لوگ نیک بخت ہیں'' (اللہ کے نزدیک ان کا شمار صالحین میں ہے)

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَ رُهۡبَانًا وَّ اَنَّهُمۡ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ (المائدہ:82)

''اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ میں مولوی اور مشائخ ہیں (یعنی عالم بھی ان میں ہیں اور درویش بھی) اور وہ غرور نہیں کرتے''۔

اُمت مسلمہ میں صرف ایک امید کی کرن نظر آتی ہے۔ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت اور اس کو آگے پھیلانے کے لئے اپنی مدد آپ کے تحت وسیع پیمانے پر مدارس اور مساجد کی تعمیر اور ان کو چلانے کا کام جس طرح انہوں نے اللہ کے کلام کی تعلیم کو اپنے خون پسینے کی محنت سے زندہ رکھا ہوا ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے وسیلے سے نشأۃ ثانیہ کے لئے ان کو زندگی کی خیرات سے نواز دے اور غلبہ دین کے لئے مطلوبہ صلاحیت عطا فرمادے اور دنیا کی امامت کا منصب دوبارہ عطا فرمادے۔ وما ذالك على الله بعزيز ۔

اس کٹھن منزل کے طے کرنے کے لئے درج ذیل آیات پر غور کرنے کی ضرورت ہے

فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ O وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ O فَكُّ رَقَبَةٍ O اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ مَسۡغَبَةٍ O يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ O اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ O ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ O اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ O (البلد:11-18)

''پھر بھی وہ گھاٹی عبور نہ کرسکا، (اے پیغمبر ﷺ) آپ کیا جانیں وہ گھاٹی کیا ہے؟ ایک گردن چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم کو کھانا کھلانا جو قرابت دار بھی ہو یا خاک نشین مسکین کو، پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی صلاح دیتے ہیں یہی لوگ قیامت کے دن داہنی جانب والے ہوں گے''

ایمان اور عمل صالح کے بعد کامیابی کی منزل حاصل کرنے کی شرائط میں یہ بات شامل ہے کہ لوگوں کے اندر انسانی فلاح اور بہبود کے لئے بھرپور صلاحیتیں خرچ کرنے

کا جذبہ موجود ہو۔اس جذبے کی آبیاری نہ کرنا فرمان الٰہی کے مطابق ہلاکت کا راستہ ہے اور اس وصف کا حصول ایک کٹھن گھاٹی ہے جس کو عبور کیے بغیر کامیابی کو پانا ممکن نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ نے انفاق جان و مال کی ترغیب دی ہے۔سورہ بقرہ کے دو رکوع تو خاص طور پر یہ وصف پیدا کرنے کی پرزور دعوت پر مشتمل ہیں۔اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (رعد:۱۱)''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی''

جب ہمارے اندر دنیا کو کچھ دینے کی صلاحیت پیدا ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اپنی ہدایت پر چلنا آسان فرمادیں گے،زمین و آسمان کی قوتوں کو ہمارا خادم بنادیں گے اور ایسا بھی ہوگا کہ دین اسلام دنیا کا آخری اور کامل ترین نظامِ حیات بن کر دنیا پر غالب ہوجائے گا۔ان شاءاللہ

سیّدنا امام المرسلین ﷺ
کی اشاعتوں پر تاثرات اوران کا جواب

حکمت بالغہ میں ہمارے دوست جناب ساجد محمود مسلم کی تالیف سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی سیرت 'امام المرسلین ﷺ' کے عنوان سے سلسلہ وار شائع ہورہی ہے۔ مارچ 2017ء کے شمارے میں کراچی سے ہمارے محترم قاری جناب رضی الدین سیّد نے اپنے کچھ تاثرات بھیجے تھے وہ ادارہ نے جناب مسلم صاحب تک پہنچا دیے تھے اوراس کا تذکرہ بھی ماہ مئی میں کردیا تھا۔ جناب مسلم صاحب نے ان تاثرات پر اپنا نقطۂ نظر ہمیں بھجوایا تھا جو ہم نے کراچی بھجوادیا ہے۔ یہ دونوں تحریریں اب ہدیۂ قارئین ہیں۔ (ادارہ)

1۔ مضمون ''امامُ الناس سیّدنا ابراہیم علیہ السلام'' چند گزارشات

از : رضی الدین سیّد

مارچ ۲۰۱۷ میں شائع شدہ جناب ساجد محمود مسلم کے مضمون ''امام الناس سیّدنا ابراہیم علیہ السلام'' کے ضمن میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں:۔

☆ یہ نکتہ کہ، حضرت اسماعیلؑ کی ولادت کے بعد حضرت سارہ علیہا السلام میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے خلاف ایک نسوانی رقابت بھڑک اُٹھی تھی اورانہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان دونوں جانوں کو کہیں اور جا کر چھوڑ آئیں اوراسی باعث حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو لے کر مکہ چلے آئے تھے، مستند نہیں ہے، یہ محض اسرائیلی روایت ہے۔ دیکھیں یہودی ربی 'مارک جیلمین' کی لکھی ہوئی کتاب ''ریلیجن فار ڈمیز'' (RELIGION FOR DUMMIES)

(امریکہ) جس میں واضح طور پر دیا ہوا ہے کہ ''حضرت سارہ علیہا السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق کی پیدائش کے بعد حسد کے باعث حضرت ابراہیم سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ (جو یہودیوں کے مطابق ان کی باقاعدہ بیوی نہیں بلکہ لونڈی تھیں) اور حضرت اسماعیل کو ان سے کہیں دور لے جا کر آباد کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے 'دل گرفتہ' ہو کر ان دونوں شخصیات کو مکہ کے علاقے میں تنہا لا کر بسا دیا۔'' (مزید حوالہ کتاب: ''یہودی مذہب، مہد سے لحد تک'' از راقم)۔ بالفرض اگر حضرت سارہ نے ایسا کہا بھی تھا تب بھی ابراہیم علیہ السلام پر لازم نہیں تھا کہ وہ انہیں فلسطین سے ہٹا کر بہت دور مکے ہی میں لے جا کر آباد کریں۔ انھیں وہیں کسی قریبی شہر میں بھی بسا سکتے تھے۔

☆ دوم یہ کہ کبھی کوئی نیک نفس وطاہرہ بیوی اپنے پیغمبر شوہر پر اتنا دباؤ نہیں ڈال سکتی کہ دوسری بیوی کے ساتھ حسد کے باعث وہ انہیں اپنی بات مان لینے ہی پر مجبور کر دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو لازماً اللہ تعالیٰ درمیان میں مداخلت کرتا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرات کے معاشی دباؤ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے درمیان میں مداخلت کی تھی اور ازواج مطہرات کو واضح فیصلہ دیا تھا کہ یا تو وہ اپنی بات منوالیں یا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں۔ اس ضمن میں قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ کو جب بے آب وگیاہ وادی میں تنہا چھوڑا اور سوال کرنے پر کہ کیا آپ ہمیں اللہ تعالیٰ کے کہنے پر چھوڑ کر جا رہے ہیں، حضرت ہاجرہ نے جواب دیا کہ ''پھر اللہ ہی ہمارا نگہبان ہے''۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام آپؑ نے حکم خداوندی سے کیا تھا نہ کہ مطالبۂ سارہ کے تحت!۔ ظاہر کہ وہ وجہ مکے میں خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر تھی جو تب ان باپ اور بیٹے دونوں کے ہاتھوں انجام پانی تھی۔

قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ ابراہیم اگر اپنے بیٹے اسماعیل کی پہلی بیوی کے غلط رویے کے سبب مکے جا کر انھیں چوکٹ تبدیل کر دینے کی ہدایت دے سکتے تھے تو نعوذ باللہ وہ خود اپنے گھر کی چوکھٹ ہی کو خراب کیسے باقی رکھ سکتے تھے؟

یہ کہنا بھی خاصا توجہ طلب ہے کہ مکے کی ریگستانی و جھلسا دینے والی فضا میں حضرت ہاجرہؑ کو ''ڈی ہائڈریشن'' ہو گئی تھی اور اسی باعث ان کا دودھ سوکھا تھا۔ واقعہ تو بیان ہوا ہے لیکن احادیث سے کوئی حوالہ مہیا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کا دودھ، پانی نہ

ہونے کی وجہ ہی سے سوکھا تھا؟۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو بعد میں آباد ہونے والی خواتین کے دودھ بھی سوکھ جانے چاہئیں تھے کیونکہ پانی کی فراہمی تو بے شک وہاں ہو چکی تھی لیکن خوراک بہرحال صفر تھی۔ نیز تیز آندھی کے جھلسا دینے والے جھکڑ بھی علاقے میں مسلسل چلتے رہتے تھے، ظاہری بنیادوں پر جو دودھ سکھا دینے کا سبب بن سکتے تھے۔ قیاس کہتا ہے کہ ان کا دودھ سوکھنا اللہ تعالیٰ کی نشانی کے طور پر تھا!۔ یعنی اس قدر ناقابل قیاس ماحول میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے باعث کسی خاندان کو زندہ و توانا رکھ سکتا ہے!

فاضل مصنف نے مضمون میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیوں کے نام بھی گنوائے ہیں، ہمارے حساب سے جس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ جب قرآن وحدیث ہی میں ان کا ذکر نہیں ہے تو پھر غیر ضروری تفصیلات سے سب ہی کو گریز کرنا چاہئے۔ صرف انہی واقعات کا تذکرہ پسندیدہ ٹھہرنا چاہئے جن کا تعلق ہدایت و گمراہی سے ہو۔ دوسری جانب مذاہب کی تفصیل میں جاتے ہوئے تاریخ اور احادیث کا فرق رکھنا بھی ناگزیر ہے۔ لازمی نہیں ہے کہ جو واقعات تواریخ میں بیان ہوئے ہوں، سو فیصد درست ہی ہوں!۔ نیز بہت سی روایات ہمارے ہاں اسرائیلیات سے بھی درآمد ہوتی رہی ہیں، اس لیے ان کا لحاظ رکھنا بھی لازمی ہے۔ یہودیوں کی تو یہ عادت ہی رہی ہے کہ اصل قصے کو بھلا کر وہ اس کی جزئیات میں چلے جاتے ہیں تاکہ احکامات پر عمل درآمد سے نجات کی کوئی راہ ان کے لئے برآمد ہو سکے!

واضح رہے کہ یہ تمام گزارشات محض دلسوزی کے نقطۂ نظر سے کی گئی ہیں، نہ کہ کسی کی تنقیص کے نقطۂ نظر سے۔

2۔ سیّد رضی الدین صاحب کی خدمت میں چند معروضات

از : ساجد محمود مسلم

محترم جناب سیّد رضی الدین صاحب نے کمال شفقت فرماتے ہوئے احقر کے مضمون پر ایک تنقیدی نوٹ لکھا ہے، جس کے جواب میں راقم چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ سیّد رضی الدین صاحب فرماتے ہیں: ''یہ نکتہ کہ، حضرت اسماعیل کی ولادت کے بعد

حضرت سارہ علیہا السلام میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے خلاف ایک نسوانی رقابت بھڑک اٹھی تھی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان دونوں جانوں کو کہیں اور جا کر چھوڑ آئیں اور اسی باعث حضرت ابراہیم ان دونوں کو لے کر مکہ چلے آئے تھے، مستند نہیں ہے، یہ محض اسرائیلی روایت ہے۔''

سیّد صاحب مزید فرماتے ہیں: ''دوم یہ کہ کبھی کوئی نیک نفس وطاہرہ بیوی اپنے پیغمبر شوہر پر اتنا دباؤ نہیں ڈال سکتی کہ دوسری بیوی کے ساتھ حسد کے باعث وہ انہیں اپنی بات مان لینے ہی پر مجبور کر دیں۔''

موصوف مزید فرماتے ہیں: ''اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام آپؑ نے حکم خداوندی سے کیا تھا نہ کہ مطالبہ سارہ علیہا السلام کے تحت''۔

نہایت ادب سے عرض ہے کہ مذکورہ اسرائیلی روایت کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ سیّدہ سارہ کے دل میں نسوانی رقابت کا پیدا ہونا اور دوسرا سیّدہ سارا کے مطالبہ پر سیّدہ ہاجرہ اور سیّدنا اسماعیل کو کہیں دور جا کر چھوڑ آنا۔ اس روایت پر تبصرہ سے پہلے راقم کے ان الفاظ پر بھی ایک نظر ڈال لیں، جن پر محترم سیّد صاحب نے گرفت کی ہے:

''جب سیّدہ سارہ نے دیکھا کہ ان کے بعد سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے حبالۂ عقد میں آنے والی بیوی کی گود بھر گئی ہے اور ان کے شوہر فطری طور پر سیّدہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے سیّدنا اسماعیل کو زیادہ وقت دینے لگے ہیں تو ان کی نسوانی رقابت کی حس پھڑک اُٹھی۔ چنانچہ انھوں نے سیّدنا ابراہیم سے مطالبہ کر دیا کہ وہ اپنی دوسری بیوی اور اس کے بیٹے کو ان سے دور کسی الگ مکان میں ٹھہرائیں۔ سیّدنا ابراہیمؑ ابتداءً اس پر آمادہ نہ تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ سیّدہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو ایک الگ جگہ ٹھہرائیں۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام حکم الٰہی سے سیّدہ ہاجرہ اور شیر خوار اسماعیل کو لے کر فلسطین سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ حجاز میں جبل ابوقبیس کے دامن میں واقع صفا و مروہ پہاڑیوں کے بیچ کی وادی میں انھیں جا ٹھہرایا۔'' (حکمت بالغہ، مارچ 2017ء، ص 14)

ان سطور سے واضح ہے کہ راقم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پہلی بیوی سیّدہ سارہ کے کہنے پر سیّدہ ہاجرہ کو الگ ٹھہرایا تھا، بلکہ واضح طور پر لکھا ہے کہ ''سیّدنا ابراہیمؑ ابتداءً اس پر آمادہ نہ تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ سیّدہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو

ایک الگ جگہ ٹھہرائیں۔ سیّدنا ابراہیم حکم الٰہی سے سیّدہ ہاجرہ اور شیر خوار اسماعیل کو لے کر فلسطین سے روانہ ہوئے۔۔۔۔۔۔''

رہا اس روایت کا پہلا حصہ کہ ''سیّدہ سارہ کی نسوانی رقابت کی حس پھڑک اُٹھی تھی'' یہ حصہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، یہ نری اسرائیلی روایت نہیں ہے۔ راقم الحروف نے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام سے متعلق یہ پورا واقعہ صحیح البخاری (رقم الحدیث 3365) سے نقل کیا ہے، کاش رضی الدین سیّد صاحب اس اصل مرجع پر ایک نظر ڈال لیتے تو ان کا مغالطہ رفع ہو جاتا۔

صحیح البخاری میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس مستند حدیث کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے: لما كان بين ابراهيم و بين اهله ما كان خرج باسماعيل

''سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کے مابین جو تنازعہ ہوا، جس کے سبب وہ سیّدنا اسماعیل علی علیہ السلام کو لے کر نکلے''

مشہور محقق و نقاد، شارح البخاری امام علی ابن حجر العسقلانیؒ (773-852ہجری) حدیث کے اس جملے کی شرح میں فرماتے ہیں:

(لما كان بين ابراهيم و بين اهله) يعنى سارة (ما كان) يعنى من غيرة سارة لما ولدت هاجر اسماعيل

''(سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کے مابین جو تنازعہ ہوا) اہلیہ سے یہاں مراد سارہ ہیں (جو کہ واقع ہوا) سیّدہ سارہ کی غیرت (حس رقابت) کے سبب، جب سیّدہ ہاجرہ نے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کو جنا'' (فتح الباری، ج۶، ص۵۰۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اسی حدیث سے متصل قبل روایت (رقم الحدیث 3364) کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

اوّل من اتخذ النساء المنطق من قبل ام اسماعيل ،اتخذت منطقاً لتعفى اثرها على سارةثم جاء بها ابراهيم و ابنها اسماعيل و هى ترضعه

''وہ پہلی خاتون جس نے سب سے پہلے اپنی کمر کے گرد کمر کس باندھا وہ سیّدہ ام اسماعیل (ہاجرہ) تھیں، انہوں نے یہ کمر کس اس لئے باندھا تھا تا کہ سیّدہ سارہ ان کے (دامن کے گھسٹنے سے بننے والے) نشانات نہ پا سکیں۔، پھر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو لے کر چل

پڑے، جبکہ وہ ان (اسماعیلؑ) کو اپنا دودھ پلاتی تھیں۔''

امام علی ابن حجر العسقلانیؒ کمر کس باندھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و کان السبب فی ذلك ان سارة کانت وهبت هاجر لابراهیم فحملت منه باسماعیل ، فلما ولدته غارت منها

''اور اس کا سبب یہ تھا کہ سیّدہ سارہ نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیّدہ ہاجرہ ہبہ کر دی تھیں، تب انہیں سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کا حمل ٹھہرا۔ پس جب سیّدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو سیّدہ سارہ کی حس رقابت جاگ پڑی۔'' (فتح الباری، ج۶، ص۴۹۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ان دونوں مستند روایات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا اسماعیل کی ولادت کے باعث سیّدہ سارہ کی حسِ رقابت جاگ پڑی تھی اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ اگر سیّدنا لوط علیہ السلام کی بیوی کافر ہو سکتی ہے، تو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی میں سوتنوں والی رقابت کا پیدا ہو جانا کوئی امر محال نہیں ہے۔ سوتنوں والی رقابت سے تو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات بھی کلیتاً محفوظ نہ رہ سکیں۔ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ دلسوزی سے فرماتے تھے تو یہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر گراں گزرتا تھا اور وہ خود فرماتی ہیں: ''مجھے ازواجِ مطہرات میں سے سب سے زیادہ غیرت (رقابت) سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محسوس ہوتی تھی، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا تک نہیں، اس کا سبب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (میرے سامنے) اکثر ان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے، جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کا گوشت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ داروں کو ضرور بھیجتے تھے۔ کبھی تو میں یہاں تک بول دیتی تھی ''ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی دوسری عورت ہے ہی نہیں۔'' (صحیح البخاری: رقم الحدیث 3818)

عجیب اتفاق ہے کہ عربی کا جو کلمہ (فعل) سیّدہ سارہ کے بارے میں مذکورہ بالا احادیث کی شرح میں استعمال ہوا ہے بعینہٖ وہی کلمہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے بیان فرمایا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: ما غرت علی احد من نساء النبی ﷺ ما غرت علی خدیجة

حقیقت یہ ہے کہ سوتن سے رقابت عورت کی فطرت میں داخل ہے، اس سے بچنا عورت

کے بس میں نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی محبوب ترین بیوی بھی اس جذبے سے محفوظ نہیں رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سیّد صاحب! اس ضمن میں سورۃ التحریم کی تفسیر کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

۲۔ رضی الدین سیّد صاحب ایک اور نکتہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ کہنا بھی خاصا توجہ طلب ہے کہ مکے کی ریگستانی و جھلسا دینے والی فضا میں حضرت ہاجرہؑ کو ''ڈی ہائڈریشن'' ہوگئی تھی اور اسی باعث ان کا دودھ سوکھا تھا!۔ واقعہ تو بیان ہوا ہے لیکن احادیث سے کوئی حوالہ مہیا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کا دودھ، پانی نہ ہونے کی وجہ ہی سے سوکھا تھا؟ اگر ایسا ہوا ہوتا تو بعد میں آباد ہونے والی خواتین کے دودھ بھی سوکھ جانے چاہئیں تھے کیونکہ پانی کی فراہمی تو بے شک وہاں ہو چکی تھی لیکن خوراک بہرحال صفر تھی۔''

راقم ایک بار پھر یہی عرض کرے گا کہ کاش سیّد صاحب زیرِ تبصرہ مضمون ذرا غور سے مکمل پڑھ لیتے اور اس میں دیے گئے حوالہ جات کی جانچ ہی کر لیتے تو وہ اس طرح پریشان نہ ہوتے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو من وعن پیش کر دیا جائے جس سے سارا واقعہ ماٴخوذ ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ (سارہ) کے مابین تنازعہ ہوا، جس کے سبب وہ اسماعیل علیہ السلام کو وہاں سے لے کر نکلے، اس حال میں کہ ان کے پاس پانی سے بھرا ایک مشکیزہ تھا، پس اُمّ اسماعیل (سیّدہ ہاجرہ) اس مشکیزے سے پانی پیتیں اور اپنے بچے (اسماعیلؑ) کو اپنا دودھ پلاتی رہیں، یہاں تک کہ وہ مکہ کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ پس سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ایک درخت کے نیچے جا ٹھہرایا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اپنی پہلی بیوی کے پاس لوٹ گئے تو اُمّ اسماعیل ان کے پیچھے گئیں یہاں تک کہ مقام کداء کے پاس پہنچیں تو انہیں آواز دی، ''اے ابراہیم! ہمیں کس کے پاس چھوڑے جاتے ہو؟'' وہ بولے ''اللہ کے پاس''۔ تب وہ کہنے لگیں ''میں اللہ پر راضی ہوں''۔ پھر وہ لوٹ آئیں اور مشکیزے سے پانی پیتیں اور اپنے بچے کو دودھ پلاتی رہیں، تا آں کہ جب پانی ختم ہوگیا تو انہوں نے اپنے جی میں کہا کہ میں جا کر دیکھتی ہوں شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر پڑے۔ پس وہ گئیں اور صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں، ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید کوئی شخص دکھائی دے۔ مگر انہیں کوئی بندہ نظر نہ آیا۔ پھر وہ اتر کر وادی میں آگئیں اور دوڑنے لگیں یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر پہنچ گئیں۔ کئی بار ایسا ہی کیا۔ پھر اپنے جی میں کہنے لگیں کہ

ذرا بچے کو تو دیکھوں کس حال میں ہے؟ بچہ پہلے کی طرح موت کے لئے سسکیاں لے رہا تھا۔ پس ان کے جی کو قرار نہ آیا اور کہنے لگیں کہ مجھے پھر نظر دوڑانی چاہیے شاید کوئی بندۂ خدا مل جائے۔ وہ پھر دوڑی گئیں اور صفا پر چڑھ گئیں اور ادھر ادھر نظر دوڑانے لگیں کہ شاید کوئی بندہ مل جائے۔ مگر کوئی نہ ملا۔ یہاں تک کہ آپ نے سات چکر لگائے۔ پھر بھی یہی کہتی تھیں کہ میں جا کر دیکھوں شاید کوئی مل جائے۔ یکا یک ایک آواز سنائی دی۔ وہ بولیں ''ہمیں پانی دو اگر تم میں کوئی خیر ہے۔'' اسی لمحے جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ پس انہوں نے اپنی ایڑھی زمین پر ماری اور وہاں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ پس اُمّ اسماعیل گھبرا سی گئیں اور مٹی سے منڈیری بنانے لگیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ پانی کو اس کے حال پر چھوڑ دیتیں تو ہر طرف پانی ہی پانی ہو جاتا۔ تب انہوں نے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا۔'' (صحیح البخاری: رقم الحدیث 3365)

اس صحیح حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ سیّدہ ہاجرہ کا دودھ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے خشک ہوا تھا، پھر جب دوبارہ پانی مل گیا اور انہوں نے سیر ہو کر پیاس بجھائی تو دوبارہ دودھ اتر آیا، جس سے بچے کی بھوک پیاس مٹی۔ یہ درست ہے کہ یہ سارا واقعہ اللہ تعالیٰ پر کامل توکل اور اس کی قدرت کے اظہار کے طور پر ہے، تاہم ایک واضح نص کے واضح معانی کو چھوڑ کر اسے دور کے معنیٰ پہنانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یاد رہے کہ مذکورہ حدیث اصطلاح میں مرسل صحابی ہے اور مرسل صحابی کی حجیت پر جمہور امت کا اتفاق ہے۔

کیا اب بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ ''واقعہ تو بیان ہوا ہے لیکن احادیث سے کوئی حوالہ مہیا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کا دودھ، پانی نہ ہونے کی وجہ ہی سے سوکھا تھا؟''

۳۔ رضی الدین سیّد صاحب نے یہ گرہ بھی لگائی ہے:

''فاضل مصنف نے مضمون میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیوں کے نام بھی گنوائے ہیں، ہمارے حساب سے جس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ جب قرآن وحدیث ہی میں ان کا ذکر نہیں ہے تو پھر غیر ضروری تفصیلات سے سب ہی کو گریز کرنا چاہیے۔ صرف انہی واقعات کا تذکرہ پسندیدہ ٹھہرنا چاہئے جن کا تعلق ہدایت وگمراہی سے ہو۔ دوسری جانب مذاہب کی تفصیل میں جاتے ہوئے تاریخ اور احادیث کا فرق رکھنا بھی ناگزیر ہے۔ لازمی نہیں ہے کہ جو واقعات

تواریخ میں بیان ہوئے ہوں، سو فیصد درست ہی ہوں!۔ نیز بہت سی روایات ہمارے ہاں اسرائیلیات سے بھی درآمد ہوتی رہی ہیں، اس لیے ان کا لحاظ رکھنا بھی لازمی ہے۔ یہودیوں کی تو یہ عادت ہی رہی ہے کہ اصل قصے کو بھلا کر وہ اس کی جزئیات میں چلے جاتے ہیں تاکہ احکامات پر عمل درآمد سے نجات کی کوئی راہ ان کے لئے برآمد ہو سکے!''

موصوف کی یہ نصیحت کہ تاریخ و حدیث کا فرق ملحوظ رکھنا اور اس ضمن میں اسرائیلی روایات سے دامن بچا کے گزرنا مذاہب کی تفاصیل میں جانے کے لئے ناگزیر ہے، فی الحقیقت قابلِ پذیرائی ہے۔ جس کی یاددہانی پر ہم موصوف کے شکرگزار ہیں۔ تاہم راقم موصوف کا وضع کردہ یہ کلیہ و قاعدہ سمجھنے سے قاصر ہے: ''جب قرآن وحدیث ہی میں ان کا ذکر نہیں ہے تو پھر غیرضروری تفصیلات سے سب ہی کو گریز کرنا چاہئے۔ صرف انہی واقعات کا تذکرہ پسندیدہ ٹھہرنا چاہئے جن کا تعلق ہدایت و گمراہی سے ہو۔''

راقم مقدمۂ سیرت میں بڑی تفصیل سے بیان کر چکا ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے تین مأخذ ہیں: قرآن حکیم، حدیثِ نبوی اور تاریخ اسلام۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرنے کا لازمی نتیجہ سیرت کے قیمتی موتیوں کا ضیاع ہے۔ سیّدنا ابراہیم، سیّدنا اسماعیل علیہما السلام اور ان کی آل کا تذکرہ سیرت کا لازمی حصہ ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا شجرۂ نسب آلِ اسماعیل کے تذکرے کے بغیر ادھورا ہے۔ سیرت کی کوئی بھی ایسی مفصل کتاب میری نظر سے نہیں گزری جس میں آل اسماعیل کا تذکرہ اہتمام کے ساتھ نہ کیا گیا ہو۔ عشاقِ رسول ﷺ کے لئے تو ان کی ہر ادا اور ان سے ربط و تعلق رکھنے والی ہر شے محبوب ہے۔ ہاں سیّد صاحب اگر ان تفاصیل کو غیرضروری سمجھتے ہیں اور شجرۂ مبارکہ میں شامل ان ہستیوں کا تذکرہ ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے تو یہ ان کی ذاتی رائے ہے، ہم ان کی اس رائے کا صرف احترام کر سکتے ہیں، مگر اس رائے کو قبول نہیں کر سکتے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن۔

اسلامی دنیا کی قیادت کہاں ہے۔۔؟

ابو فیصل محمد منظور انور

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

دنیائے اسلام کی حالت زار دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے ہر طرف خونِ مسلم ہی بہایا جارہا ہے۔ پچھلے ایک عشرے میں اپنے گھروں میں ہنستے بستے کروڑوں مسلمان اپنے گھروں سے نکال باہر کئے گئے لاکھوں قتل کر دیے گئے اور اس وقت لاکھوں بے یارو مددگار ہیں جو اپنے گھر بار چھوڑ چکے دیار غیر میں غیر مسلم حکومتوں کے رحم کرم پر ہیں جن کے مستقبل بارے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کے اپنے حکمران ہی انھیں اپنے ممالک میں واپس لانے کا حق دینے کو تیار نظر نہیں آتے بلکہ انھیں قتل کرنے اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپئے نظر آتے ہیں جس کی وجہ صرف اور صرف ان حکمرانوں کو اپنے خاندانی اقتدار کو ہر صورت باقی رکھنا ہے۔ اسی عشرے میں مسلم عرب علاقوں میں عرب بہار کے نام سے آنیوالے انقلاب کا راستہ روکنے والے کون ہیں؟ یہی آمریت کی پیداوار بادشاہ اور شہزادے جبکہ امت مسلمہ کی حالت یہ ہے کہ۔۔

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلم کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

پوری دنیا میں بڑی دیدہ دلیری اور سفاکی کے ساتھ ہر طرف خونِ مسلم سے خونی ہولی کھیلی

جارہی ہے مسلمان کیا بچے، بوڑھے، ضعیف العمر، بیمار، معذور، عورتیں اپنے گھروں میں قتل کیے جاچکے اور قتل ہورہے ہیں یا پھر دردر کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں امریکی یہودی سازشوں کے نتیجے میں صدیوں سے مسلم کشی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ نہ جانے کب ختم ہوگا مسلم دنیا کی عالمی تنظیم O.I.C کی تجہیز وتکفین کا مرحلہ بخوبی سرانجام پایا اب وہ قصہء پارینہ بن چکی اور بقول شخصے (اوہ آئی سی) بن کر رخصتی کے بعد دفن ہوچکی ہے عرب قوم پرستی کی علامت عرب لیگ بھی اپنی افادیت کھوچکی البتہ امریکی سرپرستی اور مغرب کی خوشنودی کے لئے تن من دھن سمیت خلیج تعاون کونسل اپنی تمام تر رعنائیوں اور آب وتاب کے ساتھ زندہ سلامت ہے جو قطر حکومت کو اسلام پرستوں کی حمایت کرنے پر پوری آب وتاب اور شان وشوکت سے میدان کارزار گرم کئے ہوئے ہے اور اسے ختم کرنے کے درپئے ہے ایک صدی قبل خلافت ترکیہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کو سنگین ترین صورت حال کا سامنا ہے مگر نادان عرب قیادت خواب غفلت میں ڈوبی محو استراحت ہے۔ اللہ خیر کرے مغرب کی آشیر باد سے ایک صدی قبل مشرق وسطیٰ میں حکمران بننے والے مختلف خاندانوں نے قبضہ مافیا کی شکل میں ایسے ایسے گل کھلائے ہیں جنھیں تاریخ سیاہ ترین حروف میں لکھے گی۔

جنگ عظیم کے بعد معاہدہ بالفور نے مسلم دنیا کے ساتھ جو کیا اس نے امت مسلمہ کے اتحاد واتفاق کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے تھے نتیجے میں وسائل کی فراوانی کے باوجود مسلم ممالک کے عوام غلامی کے دور سے بھی بدتر زندگیاں گزارنے پر مجبور ہیں البتہ مغربی ایجنٹ حکمران طبقہ جمہوری ہو یا آمریت کی پیداوار اشرافیہ شہزادوں ایسی زندگیاں گزار رہے ہیں یہ حکمران امریکہ برطانیہ فرانس اور دیگر مغربی یورپی ممالک میں اپنے ممالک سے لوٹی ہوئی دولت کے انبار اکھٹے کر کے رکھ چکے اور اب ان کے دلال بن کر امت مسلم پر قہر بن کر ٹوٹ پڑنے میں کوئی عار محسوس نہیں کررہے۔ قذافی، صدام حسین اپنے اپنے انجام کو پہنچے مصری حسنی مبارک، پاکستانی جنرل مشرف، حامد کرزئی، کب کے جاچکے اور اپنا تھوکا چاٹ رہے ہیں امریکی اسرائیلی گٹھ جوڑ نے مصری عوامی اصل قیادت اخوان المسلمون کی منتخب جمہوری حکومت کو پابہ زنجیر کر کے ایک نیا مہرہ (دلال) السیسی نامی جنرل تخت نشین کرادیا ہے جو امریکی ایجنڈے کے تحت مظلوم فلسطینیوں کی آزادی کی

راہ میں روڑے اٹکانے کے علاوہ مشرق وسطیٰ میں مسلم کشی کے فرائض سرانجام دے رہا ہے مشرق وسطیٰ کے عرب حکمران خلافت اسلامیہ ترکیہ سے غداری کر کے یعنی اسلامی دنیا کو تقسیم کروا کر امریکی و یورپی ناجائز بچے (اسرائیل) کے قیام کا راستہ صاف کر کے انعام کے طور پر ملنے والے اپنے حصے کے اقتدار پر قابض ہوئے تھے خوب مزے لے رہے ہیں جسے اب وہ خاندانی حکمرانی کا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں سعودی عرب اور دیگر چھوٹی ریاستوں میں آمریت کے دلدادہ یہ حکمران اقتدار ملتے ہی مغربی استعمار کے ایجنٹ بن کر اسلامی دنیا کی بجائے بڑی طاقتوں کے مفادات کے نگہبان بن کر رہ گئے ہیں نتیجے میں پوری امت مسلمہ مغربی طاقتوں کے شکنجے میں پھنس چکی ہے جو ہر طریقے سے انھیں ختم کرنے کے درپئے ہیں۔ جہاں کہیں بھی اسلامی نظام کے عملی نفاذ کی کوشش ہوتی ہے وہاں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں اور انہی مسلم ممالک میں سے اپنی مرضی کے ایجنٹ تلاش کر کے انھیں اقتدار کی گدی پر بٹھایا دیا جاتا ہے پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، مصر، لیبیا، عراق سمیت دیگر اکثر ممالک کی مثالیں موجود ہیں جنھیں کمزور کرنے کے لئے انتشار اور افراتفری کی دلدل میں دھکیل دیا گیا ہے طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ایک اہم مثال ہے پھر مسلم دنیا میں اسلامی سوچ رکھنے والی قیادت کو چن چن کر ختم کرنے کے کوشش کی جارہی ہے یہاں تک کہ مغربی پالیسیاں نہ اپنانے پر مذہب اسلام کے علمبرداروں کو نشان عبرت بنایا جارہا ہے۔ دنیا بھر میں صرف مسلمانوں کو ہی بنیاد پرست، رجعت پسند، انتہا پسند اور کبھی دہشت گرد قرار دے کر ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ دہشت گردی کے نام پر مسلط جنگ صرف انہی مسلمانوں کے خلاف جاری ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے مسلم حکمرانوں کی اکثریت اسلام دشمنی میں امریکی اور مغربی طاقتوں کے اتحادی بن کر مسلمانوں کو ختم کرنے کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں۔ ایرانی حمایت سے شام میں بشار الاسد اور عراق میں حیدر العبادی اور یمن میں حوثی قبائل سرگرم ہیں مصر میں السیسی جو کہ مسلمانوں کو ہی صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپئے ہیں۔

مشرق وسطیٰ میں سنی مسلمانوں پر مظالم میں روس بھی اپنا حصہ ڈال چکا ہے۔ ایک طرف خطے میں ظلم و بربریت کی داستانیں ماضی میں امریکہ اور نازی جرمن حکمرانوں کے ظلم سے بھی

بدتر اور زیادہ ہیں دوسری طرف سعودی عرب 40 ملکی اتحاد بھی مسلمان ممالک میں امن وسلامتی کی بجائے باہمی جنگ وجدل میں اضافے کا باعث نظر آرہا ہے سعودی بادشاہ امریکہ کی گود میں بیٹھے ہیں مسٹر ٹرمپ کی سعودی عرب آمد اور اربوں ڈالرز کے اسلحے کی خریداری اور اب قطری ریاست کے گرد تنگ گھیرا مسلم دنیا میں کسی بڑی جنگ اور تباہی کا پیش خیمہ ہے تقسیم کرو اور حکومت کرو اور اسلحہ بیچو امریکہ اور مغربی دنیا کا پرانا ہتھکنڈہ ہے۔ان حالات میں امت مسلمہ اپنی بقا کی جنگ کیسے لڑے گی نا اہل قیادت ملک گنوا دیتی ہے اور نیک صالح نڈر قیادت نہ ہو تو منزلیں معدوم ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اہل قیادت نصیب کرے۔آمین

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

؎ تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا خون و جگر

اقبال

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

2 اسفارِ اقبال

مصنف: عنایت علی

ناشر: قرطاس، پوسٹ بکس نمبر 25، فیصل آباد

زیرِ تبصرہ تصنیف چودہ ابواب پر مشتمل علامہ اقبال کے رحلات کی زمانی اعتبار سے مرتبہ وہ دلآویز داستان ہے جو دیارِ عشق کی گھاٹیوں اور یورپ وایشیا کی وادیوں میں اسفارِ اقبال کے وہ مخفی گوشے جو ابھی تک محبانِ اقبال کی نظروں سے پوشیدہ تھے پوری جزئیات کے ساتھ منظرِ عام پر لائے گئے ہیں، علم وفن کی اس آبیاری پر علمی وادبی حلقوں سے مدتِ مدید تک دادِ تحسین وصول کرتی رہے گی۔ دورانِ مطالعہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہ بالفعل اسے چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں، اور قاری خود ان کی بزم درُوں میں بنفس نفیس شریک ہو یا ان سے محوِ گفتگو ہو۔

اقبالیاتی ادب میں معلومات افزاء یہ گراں قدر اضافہ تو ہے تاہم علامہ کے اسفار کے ساتھ ساتھ ہندوستان، ہسپانیہ، انگلستان اور افغانستان کے طول وعرض میں ان کے خطبات اور ان کی تاریخ ساز فکری جدوجہد کا تذکرۂ رنگین بھی ہے۔ جوان کی ابتدائی تعلیم سے سفرِ آخرت پر محیط ہے۔ خصوصاً کتاب کے صفحہ 199 پر روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کے عنوان سے تحریر ہے:

> اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطاء محمد نے آپ سے فرمایا: ''اقبال فلسطین گئے تھے لگے ہاتھوں روضہ نبوی ﷺ پر بھی حاضری دے آتے۔'' اقبال نے جواب دیا: ''بھائی کس منہ سے روضۂ اقدس پہ حاضری دیتا۔ انگلستان کا سفر حکومت ہند کے خرچ پر کیا تھا۔

انگلستان سے واپسی پر مؤتمر اسلامی کے جلسہ میں شمولیت کے لیے فلسطین جانا ہوا۔ وہاں خیال آیا کہ دیارِ حبیب ﷺ قریب ہے، زیارت کرتا ہوں، لیکن یہ احساس سد راہ ہوا کہ حضور ﷺ کے در پر حاضری کے لیے گھر سے اُسی نیت سے اور اپنے خرچ پر کرنا چاہیے۔ دنیوی مقصد کے سفر سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لگے ہاتھوں حضور ﷺ کے روضہ پر حاضری کے لیے جانا مجھے آدابِ محبت کے خلاف محسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو حج کی نیت بھی ہے اور زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کی بھی۔''

یہاں تک کہ عالم نزع میں بھی اقبال نے اپنا یہ قطعہ دہراتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی:

سرود رفتہ باز آید کہ ناید　　نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار این فقیرے　　دگر دانائے راز آید کہ ناید

صاحب تصنیف لائق صد تحسین ہیں جن کی جولانی طبع اور روانی خامہ فرسائی نے ایسی عظیم ہستیوں جن پر تاریخ کے اوراق بھی نازاں ہیں علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقتوں اور ملاقاتوں کے اُن حسین لمحات کو زیر تحریر لا کر اقبالیات کے دلدادگان کے شوق کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ گو ان اسفار کا تذکرہ مضامین کی صورت میں مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا مگر اب شائع شدہ مکاتیب، خطبات، خودنوشت اور بقیہ تمام مواد کی حوالوں کے ساتھ، ادبی اسلوب اور اشاعتی معیار برقرار رکھتے ہوئے اقبال کے ان احوال کو کتابی صورت میں قابل مطالعہ مرقع بنا دیا گیا ہے۔ جو تمام لائبریریوں کی زینت اور دانش جویانِ اقبالیات کے لیے ایک یادگار تحفہ ہے۔

1　عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن

المعروف تفسیر المدنی الکبیر (جلد پنجم)

ترجمہ و تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مولانا ابوطاہر محمد اسحاق خان

ناشر: القاسم اکیڈمی، خالق آباد، نوشہرہ

زیر تبصرہ تفسیر اپنے متن و محتویات کے اعتبار سے عصری علوم و معارف کا گنج ہائے

گرانمایہ، اسلوب کے اعتبار سے سلاست و بلاغت کا حسین امتزاج، مسجد نبوی کی عطر بیز فضاؤں میں دروس وتعلیمات کا شاہکار، گرانقدر علمی مباحث، عام فہم ترجمہ کے ساتھ ساتھ معارف و لطائف کے عنوان سے ہر سورہ کے اہم تفسیری نکات اور زبان و بیان کے اعتبار سے تشنگانِ علوم قرآن عوام وخواص کے لیے نہایت مفید ہے۔

اردو تفاسیر قرآن کی ایک کثیر تعداد موجود ہے مگر خطیبانہ انداز جو عوام الناس کو اپنی جانب راغب کرتا ہے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ تفسیر میں یہ انداز انہی مفسرین کو نصیب ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نطق کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور صاحب تفسیر میں یہ خاصہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔

زیر تبصرہ تفسیر کی اشاعت وطباعت میں بھی انتہائی مہارت ونفاست کو کام میں لایا گیا ہے۔ اہل علم خصوصاً مدارس دینیہ کے طلبا واساتذہ کے لیے ایک ٹیکسٹ کی حیثیت کی حامل ہے۔ اور ذخائر کتب خانوں میں ایک حسین علمی اضافہ ہے۔

عبدالرشید ارشد: ایک مطالعہ

(تذکرہ، تبصرہ، مصاحبہ)

مصنف: حسین صحرائی

ناشر: ادارہ اقبال علم وادب، ٹنڈو محمد خان، سندھ 70220

زیر تبصرہ تصنیف پانچ ابواب پر مشتمل پاکستان کے ممتاز ادیب عبدالرشید ارشد صاحب کی علمی وادبی خدمات کا تذکرہ جو حیاتِ ارشد کے ابتدائی گوشوں، ہجرتِ پاکستان کی دل فگار داستان، تحریک ختم نبوت، فکر انگیز تصانیف، انٹرویوز وغیرہ پر محیط ہے۔ اگرچہ صاحب تصنیف کے مضامین اور تبصرے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جنھیں یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ جو سوانحی ادب میں ایک حسین اضافہ ہے۔

علمی اُفق کے اس روشن ستارہ پر یہ معلومات دراصل پی ایچ ڈی مقالہ کی دہلیز کی حیثیت کی حامل ہیں۔ اگر کوئی بھی مستقبل میں انھیں اپنا موضوع تحقیق بنانا چاہے گا تو یہ معلومات اس کے

لیے ایک بنیاد ثابت ہوں گی۔ ایسے صاحب قلم کی تکریم اور ان کے علمی نقوش کو منضبط شکل میں محفوظ کرنا اسلاف کا وطیرہ رہا ہے۔ کتاب کا اختتامیہ بھی جو ضمیمہ جات، ماخذات اور مبسوط اشاریہ پر مشتمل ہے۔ جو اس کے تحقیقی تصنیف کا ثبوت ہے۔ عبدالرشید ارشد کا شمار پاکستان کے ان اہل قلم میں ہوتا ہے جو سچے مسلمان کی حیثیت سے سوچتے ہیں اور اہل وطن کو درست سمت میں سفر جاری رکھنے کا حوصلہ دیتے نظر آتے ہیں۔ خصوصاً تعلیم کے حوالے سے انھوں نے اربابِ حل وعقد کے لیے رہنمائی کا فریضہ احسن انداز سے ادا کیا۔ ان کی نظر میں ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم قومی زبان میں کوئی جامع نظام تعلیم پاکستان میں نافذ نہ کر پائے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ تہذیب مغرب کا نقالی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب لائبریریوں اور اہل علم کی ناگزیر ضرورت ہے۔

قرآنی ڈکشنری شائع ہوگئی ہے

اس میں صرف وہ سہ حرفی اور رباعی مادّے دیے گئے ہیں جن سے کوئی لفظ قرآن میں آیا ہے' اور الفاظ کے صرف وہ معانی دیے گئے جن میں وہ الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ معانی کی وضاحت کے لیے متعلقہ آیت یا اس کا جزو ساتھ دیا گیا ہے۔

ڈکشنری کے شروع میں ''افعال غیر صحیح کے قواعد'' کے تحت تعلیلات کے قواعد عام فہم انداز میں بیان کیے گئے ہیں' پھر تعلیلات والے الفاظ کی قرآن کے مطابق اصلی شکل اور تبدیلی شدہ استعمالی شکل' دونوں دی گئی ہیں۔

یہ ڈکشنری مکتبہ خُدّام القرآن پر دستیاب ہے اور اسے ''بسم ربی ڈاٹ کام'' پر بھی آسان اسباق میں اپ لوڈ کر دیا گیا ہے۔

البلاغ فاؤنڈیشن لاہور

فون: 0333-4620717 اور 0321-4090779

ای میل: ALBALAG.43@gmail.com

ویب سائٹ: BISMERABBE.com

پاکستان کا قیام اور لیلۃُ القدر

14/اگست 1947ء بمطابق 27/رمضان المبارک 1366ھ

پاکستان 14/اگست 1947ء کو وجود میں آیا جس کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دی تھیں۔ لوگ پاکستان کے حق میں اسی لیے تھے کہ یہاں قرآن کا قانون ہوگا۔ 'پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ' کا نعرہ اسی حقیقت کا آئینہ دار تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مطالبے کو منظور فرما لیا اور پاکستان عطا فرما دیا اور 13 اور 14 اگست کو رات بارہ بجے اعلان ہوا کہ یہ ریڈیو پاکستان ہے۔ کروڑوں لوگوں نے سنا۔ یہ رات 27ویں رمضان المبارک 1366ھ تھی اور نزولِ قرآن کی رات تھی۔ یہ رات کتنی برکت والی ہے یہ ہر مسلمان جانتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن اور پاکستان کا رشتہ جوڑ دیا۔

آیئے اس رمضان المبارک میں 27ویں شب (جب ختم قرآن ہو) کو آدھی رات کے وقت تھوڑی دیر پاکستان کے قیام یعنی ظالم مغربی استعمار سے آزادی کے حصول کا موقع سمجھ کر منائیں اور مطالبہ کریں کہ حکومت آئندہ یومِ آزادی ہر سال 14/اگست کی ساتھ ساتھ 27/رمضان المبارک کو بھی منایا کرے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ لوگ تھوڑی دیر باوضو پاکستان زندہ باد کی آواز بلند کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور بھیگی آنکھوں کے ساتھ پاکستان میں نظامِ مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے لیے دُعائیں کریں اور اس کے لیے تن من دھن لگا دینے کا عہد کریں۔

جہاں جہاں ممکن ہو ہر شخص اپنے دفتر، کارخانہ، کام کی جگہ، سکول وغیرہ میں اس حقیقت کا اپنی حیثیت کے مطابق تذکرہ کرے اور دیگر مسلمانوں کو اس سے آگاہ کرے تاکہ اہالیان پاکستان کے دلوں میں بالعموم لیلۃ القدر کے حوالے سے مذہبی جذبہ پیدا ہو اور مذہبی لوگوں میں ملک میں قرآن مجید کی تعلیمات اور احکام پر عمل درآمد کرنے اور اس کے نفاذ کا داعیہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ جلد پاکستان کو قرآن پاک کی برکت سے قرآن پاک کے احکام پر عمل کرنے والے لوگوں کی سرزمین بنا دے، آمین۔

الحمدللہ

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات

1	خیریت تعلّم وتعلیم قرآن مجیداور ہماری ذمہ داریاں	Rs.16
2	جنوبی ایشیامیں مسلم بیداری کے سوسال (1910ء۔2010ء)	Rs.300
3	یاجوج ماجوج؟	Rs.220
4	21اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ اوّل)	Rs.120
5	21اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ دوم)	Rs.130
6	21اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ سوم)	Rs.120
7	21اسلامی انقلابی شخصیات (مکمل)	Rs.380
8	صہیونیت قرآن مجید کے آئینے میں	Rs.425
9	10علاماتِ قیامت (ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت)	Rs.165
10	تعمیرسیرت وکردار (مکمل)	Rs.450
11	تعمیرسیرت وکردار (پندرہ کتابچے)	.....
12	درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟	Rs.120
13	اسلامی نظریہ اور ریاست پاکستان	Rs.45
14	قرآن مجید کے حقوق	Rs.40

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی یہ مطبوعات قرآن اکیڈمی جھنگ
سے 40%رعایت کے ساتھ حاصل کریں (علاوہ ڈاک خرچ)

ان شاءاللہ العزیز

قرآن اکیڈمی جھنگ

قرآن فہمی کورس

پھر سوئے حرم لے چل

38واں کورس

29 جون تا 23 جولائی 2017ء

جاری ہے

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تاکہ قران مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

معلومات کے لیے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر اس تربیتی کورس کا بروشر مفت حاصل کریں یا hikmatbaalhga@yahoo.com پر بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل اپنا نام رجسٹر کرائیں

اس کورس میں 2 جولائی تک داخلہ ہو سکتا ہے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر 0336-6778561